ہفت روزہ
لاہور
11 تا 17 اکتوبر 2007ء
اشاعت خصوصی
www.tanzeem.org

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر: حافظ عاکف سعید

دعوتِ دین نمبر

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ

اور اس سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے (حٰمٓ السجدہ:۳۳)

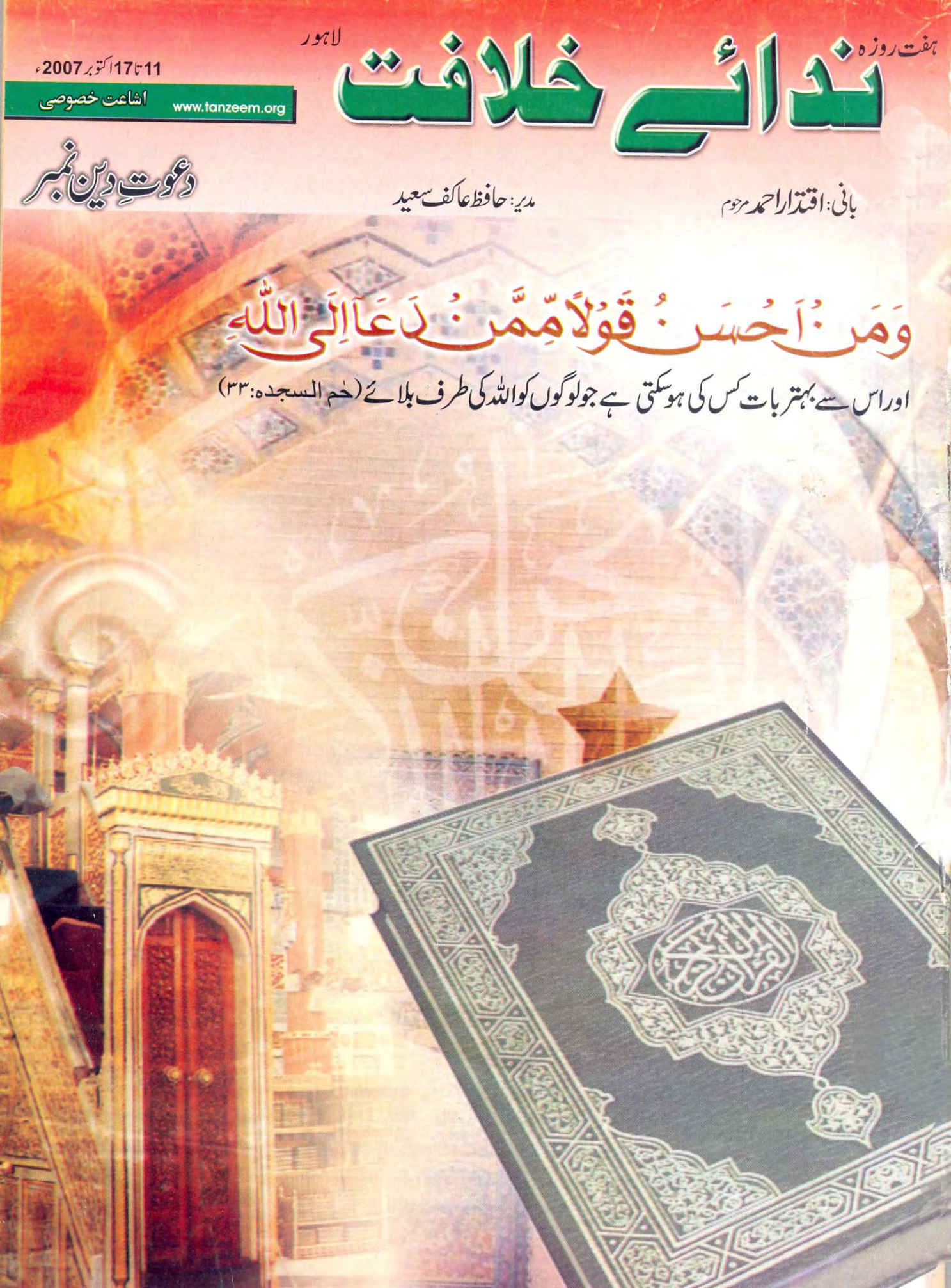

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾ (التوبہ)

''اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے، اس کی بندگی بجالانے والے، اس کی تعریف کے گُن گانے والے، اس کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے، اس کے آگے رکوع اور سجدے کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے، بدی سے روکنے والے اور اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے، (اِس شان کے ہوتے ہیں وہ مؤمن جو اللہ سے بیع کا معاملہ طے کرتے ہیں) اور (اے نبیؐ) ان مومنوں کو خوشخبری دے دو۔''

تائب وہ لوگ ہیں جو گزشتہ گناہوں سے باز آ گئے، اللہ کی طرف استغفار کرتے ہوئے لوٹ آئے..... عابدون وہ ہیں جو عبادت وعبودیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اُسی کی ربوبیت کا اقرار کریں..... حامدون وہ ہیں جن کے دل مُنعم کی نعمت کے اعتراف میں جھک جائیں، تنگی ترشی اور راحت وآرام میں ان کی زبانیں حمدِ الٰہی کی ثنا خواں رہیں۔ راحت میں شکر کریں اور آزمائش میں اُس کا شعور پیدا کر کے صبر کریں..... سائحون کے معنی مہاجرین، مجاہدین، طلب علم میں سفر کرنے والے اور روزہ دار کیا گیا ہے۔ اور ہمارے خیال میں ان سے مراد اللہ کی مخلوق اور سنن میں تفکر کرنے والے ہیں..... راکعون اور ساجدون سے مراد یہ ہے کہ وہ صلاۃ کو قائم کرتے ہیں اور صلاۃ پر خود قائم رہتے ہیں..... ''نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے'' لوگوں سے یہ مراد ہے کہ جب اسلامی معاشرہ اللہ کی شریعت پر قائم ہوگا، صرف اللہ کا مطیع ہوگا اور کسی غیر کا محتاج نہ ہوگا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس معاشرے کے اندر ہوگا۔ اس وقت مؤمنوں کا کام یہ ہوگا کہ معاشرے کی اندرونی غلطیوں اور انحراف کا ساتھ ہی ساتھ علاج کرتے رہیں۔ مگر جب زمین میں کوئی اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو، دوسرے لفظوں میں دنیا میں کوئی ایسا مجمع اور معاشرہ نہ ہو جسے ''اسلامی'' کہا جا سکے، جس میں اللہ کی شریعت حاکم ہو تو اس وقت واجب ہے کہ امر بالمعروف کا ہدف سب سے بڑے معروف کی طرف متوجہ ہو، یعنی پہلے اللہ کی حاکمیت کو دنیا میں قائم کیا جائے اور صحیح اسلامی معاشرہ برپا کیا جائے، اور نہی عن المنکر کا رُخ پہلے سب سے بڑے منکر کی طرف کیا جائے، یعنی طاغوت کی حکومت کو مٹایا جائے، اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور چیز پر فیصلے کر کے لوگوں کو غیر اللہ کا غلام بننے سے روکا جائے۔ (ماخوذ از تفسیر فی ظلال القرآن سید قطب شہیدؒ)

جوامع الکلم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْلَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ، ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ)) (سنن الترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ جلد ہی تم پر اپنا کوئی عقاب بھیج دے گا اور پھر تم اسے پکارو گے اور تمہاری پکار سنی نہیں جائے گی۔''

تشریح: امر بالمعروف کا معنی یہ ہے کہ اسے بروئے کار لانے کی دعوت دی جائے اور اس کی ترغیب اور اس کے اسباب اور طریقوں کا ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس کے نتیجے میں اس کے ارکان اور اس کے ستونوں کی جڑیں مضبوط ہو جائیں اور پوری زندگی کی یہ ایک واضح علامت بن جائے۔

نہی عن المنکر کا معنی یہ ہے کہ اسے بروئے کار لانے سے ڈرایا جائے، نفرت دلائی جائے، رکاوٹیں پیدا کی جائیں اور اس کے اسباب و وسائل کا اس طرح سدباب کر دیا جائے کہ یہ جڑ سے اکھڑ جائے اور پوری زندگی اس سے پاک وصاف ہو جائے۔

"تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 16 — 11 تا 17 اکتوبر 2007ء / 28 رمضان تا 4 شوال 1428ھ — شمارہ 38

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز
مرتب اشاعت خصوصی: مرزا ندیم بیگ

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور۔54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور۔54700
فون: 03-5869501

قیمت خصوصی شمارہ 20 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....250 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا.....(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوت دین نمبر

دورِ حاضر امت مسلمہ کے انحطاط اور زوال کا دور ہے۔ اس انحطاط اور زوال کا دائرہ زندگی کے تمام گوشوں پر محیط ہے۔ بنظر غائر تجزیہ کیا جائے تو امت کی موجودہ دگرگوں کیفیت کی سب سے بڑی وجہ ''فریضۂ دعوت'' سے اعراض اور انحراف ہے۔ دین کی دعوت ہمارے دین کے بنیادی مطالبات میں سے ایک اہم مطالبہ ہے۔ سوچنے کا مقام ہے، آج امت کی عظیم اکثریت فریضۂ دعوت کی اہمیت سے غافل کیوں ہے؟

فریضۂ دعوت سے امت کی عظیم اکثریت کی غفلت کا بڑا سبب حاملین دین متین کا محدود اور مبہم تصور دین ہے۔ اس ضمن میں اکثریت کا معاملہ یہ ہے کہ وہ محض عبادات، یعنی مراسم عبودیت کو کل دین گردانتی ہے۔ اس محدود اور مبہم تصور دین نے جہاں جملہ فرائض دینی کے تصور کو بگاڑا، وہیں فریضۂ دعوت کی فرضیت بھی بوجوہ عوام وخواص کے ذہنوں سے محو ہوتی چلی گئی، اور بالآخر اس کی صورت یہ بنی کہ دعوت ایسے تنخواہ دار مولویوں، واعظین اور پیشہ ور مبلغین کا کام بن کر رہ گیا جن کا ایک مخصوص حلیہ ہو، گدڑی پوش ہوں، ظاہری زیب وزینت سے بے پروا ہوں اور دنیاوی معاملات سے حتی الامکان لاتعلق ہوں۔ وہ شہر شہر اور قریہ قریہ دعوت وتبلیغ کا کام کریں، اگرچہ ان کے بیوی بچے، قریبی رشتہ دار، کنبہ اور قبیلہ اس دعوت سے ناواقف اور لاتعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا جب فریضۂ دعوت بعض مخصوص افراد ہی کے ذمہ ٹھہرا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت کا بیشتر حصہ اس اہم فرض سے غافل ہو گیا۔

دعوت کے ضمن میں امت میں ایک مغالطہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسلکی اور فروعی معاملات کے ابلاغ کو بھی دعوتِ دین ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ اس تصورِ دعوت میں فرقہ وارانہ اختلافات نے جارحیت کا اضافی رنگ چڑھا دیا اور تکفیری فتووں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ نتیجتاً بے شمار مخلص مسلمان مذہبی فرقہ بندی کی نذر ہو گئے۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ ختم نبوت اور تکمیل رسالت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فریضۂ دعوت کے سلسلے کا جو کام پہلے انبیاء ورسلؑ کرتے تھے وہ کام اب امت محمد یہ ﷺ کے ذمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ جو دعوت وتبلیغ امت کے ذمہ ہے وہ نہ تو محض مراسم عبودیت تک محدود ہے اور نہ ہی اس کی بنیاد فرقہ وارانہ اختلافات پر ہے۔ بلکہ حقیقی دعوت کا نقطۂ آغاز عقیدہ وایمان کی درستگی اور پختگی اور اس کی غایت اعلاءِ کلمۃ اللہ، اقامت دین اور اظہار دین الحق ہے۔

ہم میں سے ہر شخص شفاعتِ رسول ﷺ کا طالب ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ شفاعت محض آپؐ سے محبت کے دعوے کر کے حاصل ہو جائے گی یا اس کے کچھ تقاضے بھی ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی میں آپؐ کو مخالفت ومزاحمت، تمسخر واستہزاء، ذہنی کوفت اور جسمانی اذیت، مشکلات اور مصیبتوں سے بھرپور طور پر واسطہ پڑا۔ اس راہ میں آپؐ کی زندگی میں شعب بنی ہاشم کا سخت ترین دور بھی آیا۔ طائف کی گلیوں میں بے سروسامانی کی حالت میں جسم اطہر لہولہان ہوا۔ پھر اس راہ میں ہجرت اور جہاد جیسے مشکل مرحلے بھی آئے، مگر آپؐ ہر مرحلے اور ہر موقع پر اپنے فرض منصبی یعنی دعوت دین کی ادائیگی میں لگے رہے اور بالآخر 23 برس کی محنت شاقہ کے نتیجے میں باطل کو شکست ہوئی اور حق کا بول بالا ہو گیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے لگ بھگ سوا لاکھ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجتماع سے یہ گواہی لی کہ ''کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا کہ نہیں؟'' جب تمام صحابہؓ نے بیک زبان اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے ''فلیبلغ الشاھد الغائب'' کے الفاظ ارشاد فرما کر یہ ذمہ داری امت کے کاندھوں پر ڈال دی۔

خلاصہ یہ کہ امت کے موجودہ انحطاط اور زوال کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ امت اپنے فرض منصبی کو

پہچانے اوراس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ایک عزم نو کے ساتھ کمر بستہ ہو جائے، تاکہ بعثت محمدی ﷺ کا مقصد بہ تمام وکمال پورا ہواور کرۂ ارضی پر ایک مرتبہ پھر ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' قائم ہو جائے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محترم رفقاء تنظیم اسلامی! ہم بھی اُس مشن کے امین ہونے کے دعویدار ہیں جس کی بنیاد پر قرآن حکیم نے امت کو''خیرامت'' قرار دیا ہے۔ بدقسمتی سے اس راہ میں ہمارے قدم آگے نہ بڑھنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ ہم بھی فریضۂ دعوت کے ضمن تساہل کا شکار ہیں، اوراس تساہل کی وجہ سے ہم اس فرض کے تقاضے صحیح طور پرادا نہیں کرر ہے۔ ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' کا ''دعوت دین نمبر'' مرتب کرنے سے بھی یہی پیش نظر ہے کہ ہم جائزہ لے سکیں کہ کیا ہم صحیح خطوط اور مطلوبہ نہج پر فریضۂ دعوت کو سرانجام دے رہے ہیں یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو ہمیں اپنے طرزعمل پر نظر ثانی کرنا ہو گی تاکہ درست سمت میں پیش رفت ممکن ہو۔ اس لئے کہ اگر ہم اس راہ پر چلیں گے جسے قرآن حکیم صراط مستقیم قرار دیتا ہے تو دنیا میں بھی کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور آخرت میں مغفرت کا وعدہ بھی ہے اور جنت کا بھی۔ بقول شاعر۔

چمن کے مالی اگر بنالیں، موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کے چمن سے روٹھی بہار اب بھی

کلامِ اقبال

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی!
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی!
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!!
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے!
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!!

اس شمارے میں

اداریہ	دعوت دین نمبر		3
پیغامات	بانی تنظیم اسلامی، امیر تنظیم ومرکزی ناظم دعوت		5
تفہیم دین:	دعوت الی اللہ کے اصول ومبادی	ڈاکٹر اسرار احمد	9
سیرت نبویؐ:	داعیٔ اعظم ﷺ قرآن کی نظر میں	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	14
سیرت الرسلؑ:	دعوتِ دین اوراولوالعزم من الرسل	چوہدری رحمت اللہ بٹر	21
سیرت صحابہؓ:	حضرتِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی داستانِ عزیمت	محمد خالد	22
طلوع اسلام:	اشاعتِ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور صحابہ کرامؓ کا روشن کردار	مرزا ندیم بیگ	24
پیام قرآن:	دعوت دین: قرآن کی نظر میں	نعیم اختر عدنان	26
نقوش راہ:	شہادت علی الناس اورالاخوان المسلمون	سید شبیر احمد	27
دعوت و تحریک:	ہم اور ہمارا کام	ڈاکٹر اسرار احمد	30
راہ عمل:	داعیٔ حق کی ذمہ داری	مولانا امین احسن اصلاحی	31
	دعوتِ دین اورداعی کا ذاتی کردار	فرید اللہ خان مروت	34
لمحہ فکریہ:	فرض آپ کو پکار رہا ہے!	مولانا یوسف اصلاحی	36
نسخہ شفاء:	مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج	مولانا محمد احتشام الحسن	38
عہدِ حاضر:	تبلیغ دین کے لئے تفریغ اوقات......مگر کیسے؟	مرزا ندیم بیگ	38
سنگ میل:	کاروان دعوت منزل بہ منزل	کاشف بلال	45
قابل رشک:	مثالی حلقہ، مثالی تنظیم، مثالی اُسرہ	محمد اشرف وصی	49

پیغام محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ

بانی تنظیم اسلامی

دعوتِ دین کو قرآنی اصطلاحات کے مطابق خواہ ''دعوۃ الی اللہ'' (حم السجدہ:33) قرار دیا جائے، خواہ ''دعوۃ الی سبیل الرب'' (النحل:125)، اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے فریضۂ رسالت کے تقاضوں کی ادائیگی کے تسلسل اور دوام کی مظہر ہے..... اس لیے کہ نبوت کا اختتام تو آپؐ کے انتقال کے ساتھ ہو گیا..... لیکن آپ کی رسالت کا سلسلہ تو قیامت تک جاری رہنے والا ہے...... اور آپ کا جوامتی آپؐ کے قول مبارک: ''بلغوا عنّی ولو آیۃ'' (پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت) پر عمل کرتے ہوئے آپؐ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچا رہا ہے وہ آپ کا معاون و مددگار ہے، اس لیے کہ ''عـنّـی'' کا صحیح مفہوم صرف انگریزی الفاظ ''ON MY BEHALF'' سے ادا ہوتا ہے..... چنانچہ ایسا ہر شخص لائق مبارک باد ہے۔

لیکن اس معاملے میں ایک ''دروں بینی'' کی شدید ضرورت ہے، کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس کام کو بس ایک مشغلے (Hobby) کے طور پر کر رہے ہوں...... اور اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہوں کہ ہم دعوت الی اللہ کا کام اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق کر رہے ہیں...... اس ضمن میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے والا ''LITMUS TEST'' یہ ہے کہ ہم اپنے دلوں کی گہرائیوں میں جھانکیں کہ ان میں نبی اکرم ﷺ کی اُس کیفیت کا کوئی عکس کسی درجہ میں موجود ہے یا نہیں۔ جو سورۃ الشعراء کی آیت نمبر 3 میں بیان ہوئی ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝﴾

یعنی ''اے نبی کیا آپ اپنے آپ کو اس غم اور صدمے سے ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے؟''

آپ کا یہ رنج و غم اور صدمہ اتنا شدید تھا کہ بے شمار مواقع پر اللہ تعالیٰ کو تسلی دینی پڑی کہ آپؐ پر ان کو ہدایت کی راہ پر بالفعل لانے کی کوئی ذمے داری نہیں ہے..... اور آپؐ کی تمام تر دعوت و تبلیغ اور تلقین و نصیحت کے باوجود اگر یہ ان ہی راہوں پر چلتے رہے جن کی آخری منزل جہنم ہے تو اس کی کوئی مسئولیت آپؐ کے ذمے نہیں ہوگی (لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ) اور ''وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ'' آپ ان کے انجام کے تصور سے رنج و غم میں مبتلا نہ ہوں!..... اگر ہمارے اندر یہ ''دلسوزی'' اور ''دلگیری'' نہیں ہے تو ہم فریضۂ رسالت کی ادائیگی نہیں کر رہے، صرف کسی خارجی اثر کے تحت ایک مشین کے بے جان پرزے کے مانند کسی تنظیم یا جماعت میں ''جڑ'' گئے ہیں!

اور اس ضمن میں ایک مزید ذاتی احتساب یہ کہ غور کیا جائے کہ اگر ہماری نام نہاد دعوت و تبلیغ سے ہمارے اہل و عیال بھی متاثر نہیں ہو رہے تو کہیں ہماری اپنی شخصیتوں میں کوئی ایسا بڑا خلا تو نہیں ہے جس کا نتیجہ اس طور سے ظاہر ہو رہا ہو؟ اس لیے کہ یہ معاملہ تو تاریخ میں شاذ ہی ہوا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کے چاروں بیٹے ہمہ تن اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بھی تمام بیٹے راہِ حق کے روشنی کے مینار بن گئے..... اور دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ چار میں سے ایک بیٹا تو حضرت نوح علیہ السلام کا بھی آخر دم تک کافر رہا اور ان کی نگاہوں کے سامنے غرق ہوا۔ اس سے آگے بڑھ کر نصف نصف کا معاملہ ہو جائے تب بھی غنیمت ہے لیکن اگر سب کے سب راہِ حق کے کنارے پر کھڑے ع ''الجھ رہے ہیں زمانے سے چند دیوانے!'' کا نظارہ کر رہے ہوں تو یہ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے!

اللہ ہمیں دعوت الی اللہ اور دعوت الی سبیل اللہ کے لیے اس دُھن اور لگن کا عُشرِ عشیر بھی عطا فرما دے جو نبی اکرم ﷺ میں نظر آتی تھی تو ان شاء اللہ ہماری منزل قریب آ جائے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز!

خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

رفقاء و احباب کے نام

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام

رفقائے تنظیم اسلامی!.....السلام علیکم ورحمۃ اللہ

انبیاء و رسل کی مقدس جماعت کے آخری فرد اور سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی بلاشبہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ نبی آخر الزمان ﷺ داعی الی اللہ اور سراج منیر بن کر مبعوث ہوئے۔ آپؐ کی بعثت کا مقصدِ خصوصی از روئے قرآن دین حق کا غلبہ تھا۔ آپؐ نے نہ صرف کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو پیغامِ حق سے روشناس کرایا، بلکہ دین حق کو بالفعل غالب و قائم کیا اور کارِ رسالت کی انجام دہی کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے۔ آپؐ کے وصال کے بعد رہتی دنیا تک دعوت حق، شہادت علی الناس اور تکبیر رب کی ذمہ داری آپؐ کی امت پر آن پڑی۔ یہ امت خدا کی نمائندہ امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں تحویل قبلہ کے حکم کے ساتھ فرمایا:

''ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور (یہ) رسولؐ تم پر گواہ ہوں۔''

چنانچہ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر لازم ہے کہ وہ پوری نوع انسانی تک اللہ تعالیٰ کا حیات بخش پیغام پہنچائے، جو نبی آخر الزمان ﷺ کے ذریعے نوع انسانی کو عطا ہوا اور جس کی وارث یہ امت مسلمہ ہے، اور اللہ کی دھرتی پر اللہ کے قانون و شریعت یعنی دین حق کے غلبے اور فساد اور بگاڑ کو خیر میں بدلنے کی سعی کرے۔ اسی ذمہ داری کے طفیل امت کو ''خیر امت'' کا لقب عطا ہوا، اور اسی کی ادائیگی پر یہ امت دنیا و آخرت میں اللہ کی نصرت و رحمت کی حقدار ٹھہرتی ہے۔

یہ کام آسان نہیں ہے، بلکہ یہ جس قدر ضروری ہے، اتنا ہی مشقت طلب اور صبر آزما ہے، اور ہم سے قربانی و ایثار کا تقاضا کرتا ہے۔ اپنی جان، اپنے اموال، اپنے اوقات اور اپنی بہترین صلاحیتوں کی قربانی۔ اس کے بغیر یہ کام نہ تو پہلے ہوا ہے اور نہ ہی آئندہ کبھی ہو سکے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کی راہ میں تج دی، خاموش ہو کر نہیں بیٹھے، آخر دم تک شہادت و اقامت دین کی جدوجہد میں لگے رہے۔ جب جان کی ضرورت پڑی تو جان دی۔ جب مال کا تقاضا سامنے آیا تو اموال کا انفاق کیا۔ اور جب حکم ہوا تو اپنے گھر بار، اپنا شہر اور اپنے نسبی رشتے تک چھوڑ دیئے۔ تب جا کر اللہ کا کلمہ سربلند ہوا۔ آج ہم سے اللہ کے دین کا یہی تقاضا ہے۔ اگر ہم اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں، تو ہمیں اس راہ میں بہر صورت قربانیاں دینا ہوگی۔ اولاً اپنے نفس کو زندگی کے ہر معاملے اور تمام گوشوں میں اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا خوگر بنانا ہوگا، اپنے ایمان و یقین میں پختگی کے لئے ''تعلق مع اللہ'' کا اہتمام کرنا ہوگا اور پھر دین کی دعوت و اقامت کے ضمن اپنی ذمہ داری ادا کرنے اور اس طرح اللہ کی رضا کے حصول کی بھرپور سعی کرنا ہوگی۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اگر آپ غور کریں، تو ہم پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کر چکے ہیں، جس کی رو سے جنت کے عوض ہم نے اُس کے ہاتھ اپنا جان و مال بیچ دیا ہے،.....وہ جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے.....پھر اس معاہدے سے انحراف کیوں ہو؟ ادائے فرض میں مال و دولت اور علائق دنیوی کی اندھی محبت رکاوٹ کیونکر بن سکتی ہے؟

رفقائے گرامی! الحمدللہ آپ نے سوچ سمجھ کر اور پورے شعور کے ساتھ اس ذمہ داری کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر اس کی انجام دہی کے لئے کمر بستہ ہو جایئے۔ اللہ کی توفیق کے سہارے اور اُس کی نصرت کے یقین کے ساتھ گھر گھر بندگی کے چراغ جلایئے۔ بندگانِ خدا کو پوری دلسوزی کے ساتھ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دیجئے۔ انہیں غلط عقائد، جابرانہ اور ناروا رسوم و رواج، اور ظالمانہ استحصالی نظام کے جبر و قہر سے بچانے.....اور جہنم کی ہولناک آگ سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن و سنت کی روشنی کو عام کیجئے۔ اپنے گھر سے لے کر دفتر تک اور افراد سے لے کر نظامِ ریاست تک ہر جگہ اللہ کے بتائے ہوئے ضابطۂ حیات کے نفاذ اور قیام کے لئے سعی و جہد کیجئے۔ اور اس طرح دنیا کی اس نہایت مختصر اور ناپائیدار زندگی کے محدود لمحات میں اپنے رب کے ساتھ وفاداری کے تقاضوں کو ادا کر کے ہم اپنی ابدی اور حقیقی زندگی میں فلاح سے ہمکنار ہو کر اللہ کی ان عظیم ترین نعمتوں سے ابد بہرہ مند ہو سکتے ہیں جن تک

ہمارے تخیل کی بھی رسائی نہیں ہے۔ " ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"

اور ہاں، یہ بھی بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اگر آپ اللہ کے لئے خالص ہو کر دین حق کی گواہی دے رہے ہیں۔ آپ کے دل میں اللہ کی رضا کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہیں۔ اور اگر آپ اپنے مخاطبین کے ساتھ خیر خواہی اور دلی ہمدردی کا تعلق رکھتے ہیں، اور اگر آپ کی دعوت کی پشت پر کردار کی شہادت موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اِس پُرفتن دور میں بھی جبکہ ہر طرف بدی کا راج ہے اور یہود و نصاریٰ ہی نہیں خود مسلمان حکمران اسلام کی راہ روک رہے ہیں، آپ کی دعوت کچھ دلوں کی کھیتی کو سیراب نہ کرے، کچھ لوگ آپ کی پکار پر لبیک نہ کہیں۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار رہ میں ہے

لیکن..... اگر کوئی بھی آپ کی دعوت پر دھیان نہیں دیتا تو کیا ہوا؟ مایوسی کس لئے؟ کب ایسا ہوا ہے کہ دنیا والوں کے سامنے دعوت حق پیش کی گئی ہو اور انہوں نے اُسے لپک کر قبول کر لیا۔ سیرت انبیاء ہمارے سامنے ہے۔ حضرت نوحؑ کی ساڑھے نو سو سالہ دعوت کے نتیجے میں کتنے لوگ ایمان لائے؟ آپ کا کام ادائے فرض ہے۔ آپ سے نتائج کی بابت باز پرس نہیں ہوگی۔ اگر آپ نے پورے خلوص کے ساتھ اپنا فرض ادا کر لیا تو کل کو اللہ تعالیٰ کے حضور عذر تو پیش کر سکیں گے۔ اور اگر ہم نے اِس میں کوتاہی کی اور احیائے دین کی پاکیزہ جدوجہد میں مخلصانہ حصہ نہ لیا، موجودہ ابلیسی اور طاغوتی نظام کو برداشت کرتے رہے اور سوسائٹی میں پھیلی ہوئی برائیوں اور منکرات کے سیلاب کو روکنے کی کوشش نہ کی تو اندیشہ ہے کہ اللہ کی عدالت میں ہم کوئی عذر پیش کرنے کے قابل نہ ہوں گے بلکہ اگر منکرات اور فواحش کے اس سیلاب کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر کوئی فتنۂ عام برپا ہوا تو کوئی بعید نہیں کہ ہم بھی اِس کی لپیٹ میں آ جائیں۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝﴾ (الانفال:25)

"اور بچو اُس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو (بلکہ سب اِس کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔) اور جان لو بے شک اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔"

تاہم سورۃ الاعراف کی آیت 165 کی رُو سے دنیا کے اس عذاب عام سے بچنے کا واحد راستہ بھی یہی ہے کہ ہم دعوت دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام کو اپنی زندگی کے آخری سانس تک جاری رکھیں۔ اللھم و فقنا لھذا

عاکف سعید عفی عنہ

پیغام مرکزی ناظم دعوت تنظیم اسلامی

میرے عزیز از جان ہم مقصد ساتھیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عالمی تہذیب جو حقیقت میں دجالیت کا ظہور ہے اس نے انسان کو اس کے منصب سے ہٹا کر حیوان بنا دیا ہے۔ چنانچہ وہ محض اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل کو مقصد زندگی بنا کر دوڑ رہا ہے اور اس دوڑ دھوپ کو انسانیت کی معراج سمجھ رہا ہے۔ اس دور میں اصل تہنیت صرف ان "غرباء" کے لئے ہے جو واقعی دین پر عمل پیرا ہونے اور اس کی دعوت کو پھیلانے کے لیے کمربستہ ہیں۔

آیئے، ہم بھی ان غرباء میں شامل ہو جائیں اور اپنے جان و مال کو فریضہ شہادت علی الناس کی ادائیگی میں کھپا دیں تاکہ طوبیٰ للغرباء کی نوید کے حق دار بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اللہ کا عذاب ان کے لئے بھی ہوتا ہے جو اپنی ذمہ داری کا اقرار تو کریں لیکن ادائیگی نہ کر رہے ہوں۔ اس غفلت سے بچاؤ کا ایک ہی نسخہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوبؐ کے لئے پسند فرمایا..... اور میں اسے اپنے ہم خیال ساتھیوں کی نذر کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝﴾ (المزمل:1 تا 9)

"اے (محمدؐ!) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو، رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات۔ (قیام) آدھی رات (کیا کرو) یا اس سے کچھ کم۔ یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔ کچھ شک نہیں کہ رات کو اُٹھنا (نفس بہیمی کو) سخت پامال کرتا ہے اور اُس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔ دن کے وقت تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے ب ے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔"

آپ کا بھائی

رحمت اللہ بٹر

دعوتِ الی اللہ کے اصول و مبادی

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں نے اپنی گزارشات کا عنوان قرآن حکیم کی اس آیت کو بنایا ہے ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعٰٓى اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ ''اس شخص سے بہتر بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں''! یعنی میری گزارشات کا موضوع ''دعوت الی اللہ'' ہے۔ اس موضوع کا انتخاب میں نے دو وجوہات کی بنا پر کیا ہے: ایک یہ کہ میں اور آپ جس امت کے افراد ہیں، اس کا مقصد وجود اور غرض تاسیس ہی ''دعوت الی اللہ'' ہے اور دنیا میں ہماری عزت اور سربلندی ہی نہیں ہمارے وجود اور بقا کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اس فرض منصبی کو کما حقہ ادا کریں۔ سورۃ البقرہ کے سترھویں رکوع میں تحویل قبلہ کے حکم کے ساتھ ہی یہ آیت وارد ہوئی ہے کہ:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

''ہم نے تمہیں ایک امت وسط اس لیے بنایا ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہوں''۔

تحویل قبلہ کا حکم دراصل علامت (symbol) تھی اس امر کی کہ اب متولیانِ مسجد اقصیٰ یعنی بنو اسرائیل سے ہدایت خداوندی کی امانت داری و علمبرداری کا منصب سلب کر لیا گیا اور متولیان مسجد حرام یعنی بنو اسماعیل اس منصب پر فائز کر دیئے گئے۔ ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا اصل مرکز اور قلب (nucleus) ہونے کی حیثیت بنو اسماعیل کو حاصل ہے۔ ان ہی کی زبان خدا کی کتاب حامل بنی اور ان ہی کے رسوم و رواج سے قطع و برید اور حذف و اضافے کے ساتھ خدا کی آخری شریعت کا تانا بانا تیار ہوا۔ ''اٰخَرِيْنَ'' یعنی وہ دوسری اقوام جو بعد میں اس امت میں شامل ہوتی چلی گئیں، معنوی اعتبار سے یقیناً ''مِنْهُمْ'' یعنی ان ہی میں سے ہیں اور یہ بھی اللہ کا بڑا ہی فضل ہے جو ان پر ہوا لیکن یہ شرف ''اُمِّيّٖنَ'' ہی کو حاصل ہوا کہ خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ان ہی میں اور ان ہی میں سے ہوئی۔

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

اس امت کی وجہ تشکیل اور غرض تاسیس سورۂ آل عمران میں ان الفاظ میں بیان ہوئی: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾ ''تم وہ بہترین امت ہو جسے نوعِ انسانی کے لیے برپا کیا گیا ہے، تم حکم دیتے ہو نیکی کا، روکتے ہو بدی سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر''۔ گویا دنیا کی دوسری تمام اقوام و امم اپنے لیے جیتی ہیں اور ان کا مطمح نظر اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ ان کا بول بالا اور عظمت دوبالا ہو اور وہ آدم کی زیادہ سے زیادہ اولاد کو بس پڑے تو عسکری و سیاسی ورنہ کم از کم معاشی و تہذیبی تسلط کے چنگل میں گرفتار کر کے اپنے تابع رکھ سکیں۔ لیکن اس امت کا جینا اس لیے ہے کہ دنیا میں اللہ کا نام رہے، اس کا کلمہ بلند ہو، حق کا بول بالا ہو، نیکیاں عام ہوں اور اچھائیاں پروان چڑھیں اور بدیاں ختم ہوں اور برائیوں کا استیصال ہو جائے۔ یعنی یہ امت دراصل دنیا میں خدا کی نمائندہ، خیر کا ذریعہ و آلہ (instrument) اور شر اور باطل کے استیصال کا ادارہ (institution) ہے۔

جب تک یہ اپنے اس فرضِ منصبی کو ادا کرتی رہی، اس کا اپنا بول بھی بالا رہا اور حق کے ساتھ یہ بھی سربلند رہی۔ لیکن جب اس نے اپنے مقصد وجود کو بھلا دیا اور یہ بھی بس دنیا کی دوسری قوموں کی طرح ایک قوم بن کر رہ گئی تو اس پر بھی اسی طرح عتاب خداوندی نازل ہوا جس طرح اس سے پہلے بنی اسرائیل پر ہوا تھا۔ اوّل اوّل معاملہ صرف ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ تک محدود رہا اور عالم اسلام کی سیادت بنی اسماعیل یعنی عربوں سے چھین کر کردوں اور سلجوقیوں کو عطا کر دی گئی۔ اس پر بھی آنکھیں نہ کھلیں تو فتنۂ تاتار کی صورت میں قہر خداوندی کا ''وعدۂ اولیٰ'' نازل ہوا اور ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ﴾ کا ہو بہو نقشہ کھنچ گیا۔ تاریخ حیران کہ اہل ہند فتنۂ تاتار کا انتظار ہی کیوں کرتے رہ گئے اور کیوں ان کا رخ تیر کی مانند سیدھا بغداد کی طرف رہا۔ لوگ بھول جاتے ہیں کہ اس امت کا مرکز بنو اسماعیل تھے اور اس کا قلب بغداد تھا اور اصل گوشمالی ان کی مطلوب تھی۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد مسلمانوں میں سے جو قومیں ابھریں وہ بنی اسماعیل میں سے نہ تھیں، ''آخرین'' میں سے تھیں یعنی ہند میں مغل اور ایشائے کوچک میں ترک جو بالآخر خلافت اسلامی کے بھی وارث ہوئے۔ اس طرح بنو اسماعیل کی مذہبی و دینی سیادت کا آخری امتیازی نشان بھی مٹ گیا۔ ان کی حیثیت ترکوں کے محکوموں اور باج گزاروں سے زیادہ کچھ نہ رہی۔ یہ تو گزشتہ صدی کے واقعات ہیں کہ اس کے اوائل میں وہ ترکوں کی غلامی سے نکل کر پہلے یورپی تسلط کے تحت آئے اور پھر صدی کے وسط کے لگ بھگ آہستہ آہستہ اس سے بھی نجات پائی اور آزادی کا سانس لیا۔ اس کے بعد ربع صدی اس داستان کا المناک ترین باب ہے کہ آزاد ہو کر بھی جب انہوں نے دین سے بے رخی اختیار کی، تعیش و تنعم کی زندگی کو اختیار کیا اور مغربی تہذیب کے ظاہر سے متاثر ہو کر عیاشی اور فکری و عملی آوارگی کو شعار بنایا، ملت اسلامی کی بجائے نسلی و وطنی عصبیتوں کو ابھارا، شریعت کو پس پشت ڈالا اور مذہب کے نام لیواؤں پر مظالم ڈھائے تو بالآخر کم از کم بنی اسماعیل کی حد تک تو ''وَعْدُ الْاٰخِرَةِ'' بھی آ کر رہا اور اللہ نے اپنی ایک علی الاعلان (proclaimed) مغضوب قوم کے ہاتھوں انہیں ایسی ذلت آمیز شکست دی کہ رہے نام اللہ کا۔

عرب اسرائیل جنگ سے ذلیل و خوار تو پوری

ملت اسلامی ہوئی اور یہ داغِ رسوائی لازماً سارے ہی مسلمانوں کے حصے میں آیا، لیکن اس میں ''اَلَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ'' کا مصداق بہرحال عرب ہی ہیں۔ دینی پستی اور مذہب سے بعد یقیناً اس وقت پوری امت مسلمہ ہی کا حال ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے میں مصر، شام اور لبنان کی بدمستیاں دوسرے مسلمانوں سے کئی ہاتھ آگے ہیں تو پھر کون سے تعجب کی بات ہے اگر ذلت و رسوائی میں سے بھی سب سے بڑا حصہ انہی نے پایا۔ ویسے بھی جب عزت و فضیلت اور شرف میں مقدم تھے تو منطقی طور پر ذلت و رسوائی کا بھی حصہ اولیٰ انہی کا ہونا چاہیے۔

قصہ طول کھینچ گیا۔ عرض صرف اس قدر کرنا تھا کہ اس امت کی غرض تاسیس دعوت الی اللہ ہے اور اس پر نہ صرف یہ کہ اس کی عزت و عظمت کا انحصار بلکہ وجود و بقا کا دارومدار بھی ہے اور ''اُمِّیّٖنَ'' اور ''اٰخَرِیْنَ'' دونوں کے لیے ایک ہی راہ ہے کہ ﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ﴾ کی نوید جانفزا سے گرتے ہوئے حوصلوں کو از سرِ نو استوار اور ٹوٹتی ہوئی امیدوں کو نئے سرے سے قائم کریں اور ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾ کی وعید سے لرزاں و ترساں ہو کر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے پے در پے تنبیہات اسی لیے ہیں کہ ہم جان لیں کہ ہمارے لیے ﴿فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ﴾ کے سوا کوئی راہ نہیں ہے اور اپنی عظمت و سطوت پارینہ کی بازیافت ہی نہیں بلکہ اپنے وجود و بقا کی ضمانت کے لیے بھی کوئی لائحہ عمل ''دعوت الی اللہ'' کے سوا موجود نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مؤکد ترین سنت

دوسرا سبب اس موضوع پر گزارشات کا یہ ہے کہ میرے پیش نظر وہ لوگ ہیں جو سنت رسول ﷺ کے شیدائی ہیں اور جن کا مسلک و مشرب ہی یہ ہے کہ جو آنحضور ﷺ نے کیا بس وہی کرنا چاہیے۔ مبارک ہیں آپ لوگ اگر واقعتہً آپ کے دلوں میں حضور ﷺ کی سنت کے اتباع کا جذبہ موجود ہے۔ لیکن افسوس کہ آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی دوسری سنتیں تو یاد ہیں اور ان پر آپ عمل بھی پوری شدت کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ ان کی وجہ سے آپ دوسروں سے جنگ و جدل سے بھی نہیں چوکتے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی سنت جس سے زیادہ مؤکد سنت اور کوئی نہیں جس پر آپ کا تواتر عمل ظاہر و باہر جس پر آپ اپنی بعثت کی پہلی ساعت سے حیات دنیوی کی آخری گھڑی تک ہر لحظہ و ہر آن عمل پیرا رہے، اسے آپ نے نہ صرف یہ کہ عملاً ترک کر دیا ہے، بلکہ بھلا بھی دیا ہے۔ میری مراد ''سنت دعوت'' سے ہے۔ کون کہتا ہے کہ دعوت و تبلیغ بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤکد ترین سنت نہیں ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ سے زیادہ کسی بات کا دھیان یا دھن رہی؟ اب اگر سنت نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور طرز عمل کا تو خدارا سوچئے کہ آنحضور کی سب سے بڑی سنت کون سی ہے۔ ((بَلِّغُوا عَنِّیْ)) ''پہنچاؤ میری طرف سے''۔ کے تاکیدی حکم پر غور کیجیے کہ اس کو ''وَلَوْ اٰیَۃً''۔ ''چاہے ایک ہی آیت'' کے ذریعے کس قدر عمومیت دے دی گئی ہے۔ رفع یدین جس کے بارے میں آپ بہت جھگڑتے ہیں، کون ہے جو یقین کے ساتھ

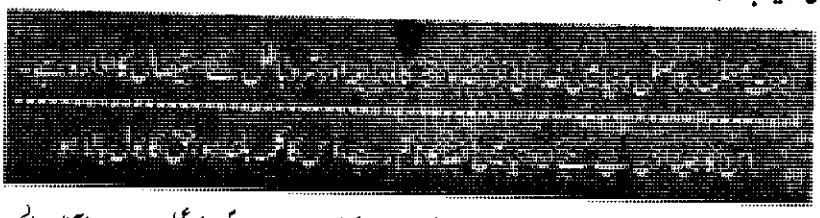

کہہ سکے کہ اس پر آپ عمر بھر عمل پیرا رہے! آمین بالجہر کے بارے میں کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اس پر آپ نے از اوّل تا آخر مداومت کی؟ برعکس اس کے ''دعوت و تبلیغ'' وہ سنت مؤکدہ ہے جس پر آپ 23 سال کی پوری مدت کے دوران مسلسل عمل پیرا رہے۔ گویا دعوت الی اللہ ایک طرف تو از روئے قرآن امت مسلمہ کا مقصد وجود اور فرض منصبی ہے اور دوسری طرف ہمارے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤکد ترین سنت ہے۔ لہٰذا اسی موضوع پر میں آپ سے چند باتیں کروں گا۔

دعوت الی اللہ کے مراحل و مدارج

دعوت دین، یا دعوت الی اللہ کوئی مفرد یا بسیط عمل نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد پہلو اور بے شمار مراتب و مدارج ہیں۔ یہ ایک فرد کی اپنی ذات اور اس کے اہل و عیال ﴿قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ سے ہو کر، اس کے کنبے قبیلے ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ پھر قوم ﴿یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ﴾ اور بالآخر پوری نوع انسانی ﴿لِتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ﴾ تک پہنچتی ہے۔ اس کی ابتدا محض خبردار کرنے اور ''ڈرا دینے'' ﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کا منتہائے مقصود یہ ہوتا ہے کہ خالق کائنات کی کبریائی کا اعلان و اظہار ہو ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ حسب استعداد و مذاق مخاطبین اسے بلند پایہ علمی و عقلی استدلال کے ساتھ بھی پیش کیا جانا چاہیے ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ﴾ اور موثر دلنشیں وعظ و نصیحت ﴿وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ﴾ کے ذریعے بھی۔ پھر کٹ حجتوں اور ہٹ دھرم لوگوں کے مقابلے میں بحث و جدال کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ﴿وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ اور وقت آنے پر جہاد و قتال بھی اسی دعوت الٰہی کی بلند ترین منازل قرار پاتے ہیں ﴿وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ﴾ تاکہ اللہ کا کلمہ سربلند ہو، اسی کا حکم چلے اور لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں۔ ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

میں دعوت الی اللہ کے ان بلند مراتب سے بحث نہیں کرنا چاہتا جن کے لیے اجتماعی جدوجہد لازمی ہے یعنی ایک تو تمام بنی آدم پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی جانب سے اتمام حجت کا وہ فریضہ میری گفتگو کے دائرے سے خارج ہے جو آپ کی امت پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتا ہے اور دوسرے خود اس امت کی اجتماعی اصلاح کا وہ کام بھی براہِ راست میرا موضوع نہیں ہے جو بجائے خود ایک منظم اجتماعی جدوجہد کا متقاضی ہے۔ اس کے برعکس میں ''دعوت الی اللہ'' کی ان ابتدائی اور بنیادی منزلوں کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن تک ہر مسلمان کی رسائی ممکن بھی ہے اور لازم بھی!

سنت رسول ﷺ کا تمسخر

اس سے پہلے میں اس استہزا کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے معاشرے میں تبلیغ کے مقدس اور عظیم الشان فریضے کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں ہر مذہبی فرقے نے ''مبلغین'' کی ایک سول سروس جاری کی ہوئی ہے اور اس کے تحت تنخواہ دار مبلغ بعض اختلافی مسائل پر مناظرانہ انداز کی تقریریں دیہات و قصبات میں کرتے پھرتے ہیں جس سے اس کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا کہ ان کے ہم مسلک و ہم شرب لوگوں پر وقتی طور پر ایک سُرور کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ واقعتہً ہم ہی حق پر ہیں اور ہمارا ہی مسلک صحیح تر ہے! ایسے مبلغین کی اکثریت کو تو اس کی سرے سے جرأت ہی نہیں ہوتی کہ اپنے سامعین کو براہِ راست خطاب کر کے یہ کہہ سکیں کہ تمہارے اندر یہ خرابیاں ہیں انھیں دور کرو، سودی کاروبار نہ کرو، غلط حسابات نہ رکھو، رشوت نہ لو، اسراف نہ کرو۔ بعض واعظین ایسی کوئی بات کہہ بھی دیں تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اس لیے

کہ جس اجتماع میں وہ تقریر کر رہے ہوتے ہیں اس کا اہتمام ان تمام غلط کاموں کی آمدنی سے ہوتا ہے! سامعین کی اکثریت تھوڑی دیر کے لیے اپنے مقررین کی اس حق گوئی سے بھی لذت اندوز ہو لیتی ہے۔ رہے میاں حضرات اور چوہدری صاحبان تو وہ زیرِ لب مسکرا کر اس وقت تو ایک خاموش مگر تلخ طنز پر اکتفا کر لیتے ہیں مگر بعد میں اپنی نجی گفتگوؤں میں اپنے مذہبی پیشواؤں کی گھریلو نجی خامیوں اور کوتاہیوں کا اہانت آمیز تذکرہ کر کے بدلہ چکا لیتے ہیں اور اس پورے سلسلے کا نام ہے تبلیغ دین!

حضرات! میں پورے سوز و درد کے ساتھ یہ سوچنے کی دعوت دیتا ہوں کہ کیا یہ نبی اکرم ﷺ کی سب سے زیادہ متواتر اور مؤکد سنت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر نہیں ہے؟ اور کیا اس طرح نادانستہ طور پر ہم خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تحقیر کے مرتکب نہیں ہو رہے؟ منبر رسولؐ پر کھڑے ہونے والوں کی ہمارے اس معاشرے میں جو قدر و منزلت اور عزت و وقعت ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا اصل سبب خود وہ ہیں یا دوسرے، اس سے کیا بالواسطہ خود اس محترم ہستی ﷺ کی تحقیر نہیں ہوتی جس سے منبر منسوب ہے۔ خدا کے لیے اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی فرمائیں! تنخواہ پر کام کرنا حرام نہیں۔ لیکن واضح رہنا چاہیے کہ معاوضے پر کام کرنے والا مدرس و معلم ہو سکتا ہے، داعی و مبلغ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس راہ کی تو سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر طرح کے مفادات و اغراض سے بالکل پاک ہو کر خالص نصح و خیر خواہی کے جذبے سے اور اس اعلان کے ساتھ کام کیا جائے کہ ﴿وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ یعنی ''میں تم سے اس (دعوت) پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو بس اللہ کے ذمے ہے''۔

احیائے سنت کا اجر و ثواب

قارئین کرام نے حضور ﷺ کی یہ حدیث بہت مرتبہ سنی ہوگی کہ جس نے میری کسی ایسی ایک سنت کو زندہ کیا جس پر عمل متروک ہو چکا ہو تو اس کو سو شہیدوں کا اجر و ثواب ملے گا۔ میں آپ کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ دعوت کو زندہ کریں اور اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آپ میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرے کہ آج سے میں ''دین کا داعی'' اللہ کی طرف پکارنے والا اور حضور ﷺ کی سنت دعوت کا ادنیٰ متبع ہوں۔

دعوت الی اللہ کی اصل شرط:

اللہ کی ربوبیت پر اعتماد

اس بات کو بالکل دل سے نکال دیں کہ دین کی دعوت کے لیے دین کے کسی لمبے چوڑے علم کی ضرورت ہے۔ آج ''علم دین'' جن معلومات کا نام ہے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اکثر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو بہت کم حاصل تھیں۔ انھیں جو علم بہ تمام و کمال حاصل تھا وہ ''علم ایمان'' تھا جیسا کہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ ''تَعَلَّمْنَا الْاِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ'' ''ہم نے ایمان پہلے سیکھا، قرآن بعد میں!''

منطقی طور پر بھی ''دعوت الی اللہ'' کا اصل لازمہ ''ایمان باللہ'' ہی کو ہونا چاہیے۔ چنانچہ جو آیت میں نے سنائی تھی اس سے متصلاً قبل ایمان باللہ کی بلند ترین منزل یعنی ربوبیت خداوندی پر دل کے جم اور ٹھک جانے اور اس پر استقامت حاصل ہونے ہی کا تذکرہ ہے کہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ..... الخ﴾ دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو خدا کی ربوبیت پر پوری طرح مطمئن اور اس پر مضبوطی سے قائم ہوں۔

دوسری شرط: عمل صالح

دعوت الی اللہ کا دوسرا لازمہ یہ ہے کہ داعی کی عملی زندگی میں ایمان باللہ کے اثرات محسوس و مشہود ہوں اور وہ عمل صالح کا ایک حسین نمونہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں بھی ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ کے فوراً بعد ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ کا تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ یہ دعوت کے مؤثر ہونے کی شرط لازم ہے! اس کے بغیر، تعلیم و تدریس ہو سکتی ہے، اعلیٰ سطح کا علمی کام بھی کیا جا سکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان چیزوں کا اپنا ایک مقام اور ان کی اپنی ایک افادیت ہے لیکن دعوت موثر صرف وہی ہو سکتی ہے جس کا شاہد ''عمل صالح'' ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ''عمل صالح'' ہی وہ مشکل گھاٹی ہے جس سے جی چرا کر ہم لوگوں نے یہ تقسیم کار کی ہے کہ کچھ لوگ اس کی قید سے آزاد ہوں اور حلال و حرام سب ذرائع سے دولت کما کر کچھ دوسرے لوگوں کو پالیں، جو دین کی تبلیغ کا کام کریں۔ ذہانت کا تو یہ یقیناً ایک شاہکار ہے! لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین کے خلاف اس شریفانہ معاہدے سے بڑی سازش شاید کوئی اور نہ ہو!

دعوت الی اللہ کا اصل ہدف

یہ آیہ کریمہ دعوت کے مطلوبہ عمل کے ایک اور پہلو کو بھی واضح کر رہی ہے اور وہ یہ کہ دعوت اللہ اور اس کے دین کی طرف ہونی چاہیے نہ کہ کسی خاص فرد، یا گروہ، یا جماعت یا فرقے یا مسلک و مشرب کی طرف۔ دعوت کا اصل ہدف یہ ہونا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اللہ کو پہچانیں، اس کی ربوبیت کا اقرار کریں اور اس پر پورے اطمینان قلب کے ساتھ یقین رکھیں، اسی کی اطاعت و بندگی کو اپنے اوپر لازم کریں اور اسی کی رضا جوئی کو اپنی زندگیوں کا نصب العین بنائیں اور اس کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے اختیار کریں۔ اس بات کو اس آیت کریمہ میں دو طرح واضح فرمایا گیا: ایک ﴿مِمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ﴾ کے الفاظ سے اشارہ کر دیا گیا کہ دعوت اللہ کی طرف ہو کسی خاص فرد یا جماعت کی طرف نہ ہو اور دوسرے ''﴿وَقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ داعی خود بھی صرف مسلمان ہونے کا مدعی ہو اور کسی خاص گروہ یا فرقے کی جانب اپنے آپ کو منسوب نہ کرے اور اس کی دعوت بھی صرف ''اسلام'' کی طرف ہو نہ کہ کسی خاص مسلک و مشرب کی طرف۔ اس لیے کہ اللہ کے نزدیک تو دین بس اسلام ہی ہے۔ ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾

تیسری شرط: تواضع و انکساری

قرآن حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ مختصر ترین الفاظ میں وسیع ترین مفہوم بیان کر دیتا ہے۔ یہاں ﴿اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ میں ایک اور فتنے کی بیخ کنی بھی کر دی گئی ہے جس میں داعی کے مبتلا ہونے کا شدید خطرہ ہوتا ہے یعنی مقام دعوت پر فائز ہونے کا تکبر، غرور اور گھمنڈ جس سے ایک طرف داعی خود راندۂ درگاہ حق ہو جاتا ہے اور دوسری طرف اس کی دعوت کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے۔ ان الفاظ میں

ایک داعیٔ حق کے قلبی تذلل وتواضع کی کیفیت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں بھی بس ایک مسلمان ہی ہوں اور عام مسلمانوں سے کسی طرح بھی افضل یا اعلیٰ نہیں ہوں۔

دوفتنوں کا سد باب

اس طرح ﴿اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ سے بیک وقت ایسے دوفتنوں کا سد باب کر دیا گیا جن میں عموماً اصحاب دعوت وعزیمت کے مبتلا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، یعنی ایک یہ کہ ان کی دعوت اُمت میں ایک نئے فرقے کی پیدائش کا سبب بن سکتی ہے جس سے افتراق وانتشار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا سد باب اس سے ہو جاتا ہے کہ داعی اور اس کے ساتھی یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھیں کہ ہم بھی مسلمانوں ہی میں سے ہیں اور امت مسلمہ ہی کا ایک جزو ہیں، کوئی علیحدہ چیز نہیں، اور دوسرے یہ کہ داعی کی اپنی شخصیت ایک نیا بت بن جائے جس کی پرستش شروع ہو جائے۔ اس فتنے کی ابتدا اصل میں داعی کی اپنی ذات سے ہوتی ہے، یعنی پہلے خود اس کے اپنے دل ودماغ میں یہ خناس پیدا ہوتا ہے کہ میں ''چیزے دگر'' ہوں۔ داعی کے قلب کا یہ احساس اس کے قریبی ساتھیوں پر منعکس ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ''پیراں نمے پرند و مریداں سے پرانند'' کے مصداق داعی کی شخصیت لات و منات اور عزّیٰ وہبل کی فہرست میں اضافے کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کا سد باب صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ داعی کے سامنے ہمیشہ یہ حقیقت عیاں رہے کہ ﴿اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ﴾ میں بھی بس ایک عام مسلمان ہوں اور اگر اللہ ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ کے مصداق حالت اسلام ہی میں اٹھا لے تو بس یہی میری سب سے بڑی کامیابی ہے!

سب سے اعلیٰ کام اور سب سے عمدہ بات

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا﴾ کے الفاظ پر بھی غور فرما لیجیے! ان الفاظ میں اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ یوں تو دنیا میں ہر صاحب صلاحیت آدمی کسی نہ کسی بات کی دعوت دیتا ہے۔ کوئی خاندان یا برادری کے مفادات کی پکار لگاتا ہے تو کوئی ملک وقوم کی عظمت کا راگ الاپتا ہے، کوئی جمہوریت کے قیام کی دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے تو کوئی اشتراکیت کے نفاذ کا داعی بنتا ہے، لیکن ان سب سے بہت بلند، اعلیٰ اور ارفع دعوت اس کی ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف پکارتا اور اس کے دین کی دعوت دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے انسان کے لیے اس مرتبے سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں کہ وہ ﴿دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ﴾ اور ''سِرَاجًا مُّنِیْرًا'' ﷺ سے کسب نور کر کے خود بھی ہدایت کا ایک چھوٹا سا چراغ بن جائے۔ ﴿وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ پس چاہیے کہ اسی کی حرص کریں حرص کرنے والے۔

خلاصہ کلام

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ اُمتِ مسلمہ کی غرض تاسیس اور اس کا مقصد وجود ہی 'دعوت الی اللہ' ہے اور دنیا میں اس کی عزت وسر بلندی ہی نہیں بلکہ اس کے وجود وبقا کا تمام تر انحصار بھی اس پر ہے کہ وہ اپنے اس فرض منصبی کو کماحقہٗ ادا کرے۔

2۔ پھر دعوت الی اللہ ہی نبی اکرم ﷺ (فداہ ابی وامی) کی وہ سب سے زیادہ موکد سنت ہے جس پر آپ کا تواتر عمل ظاہر وباہر ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے اتباع کا اولین تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کی سنتِ دعوت کا اتباع کیا جائے۔

3۔ مختلف مذہبی جماعتوں اور فرقوں نے اپنے اپنے مسلک ومشرب کی اشاعت وتوسیع کے لیے مبلغین کی جو ''سول سروس'' جاری کی ہوئی ہے وہ 'دعوت الی اللہ' کے نقطۂ نظر سے نہ صرف یہ کہ مفید نہیں ہے بلکہ الٹی مضر ہے!

4۔ دعوت الی اللہ کے اصل لوازم ایمان اور عمل صالح ہیں نہ کہ فروعاتِ دین کا علم۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقینِ واثق اور اعمالِ صالحہ واخلاقِ حسنہ کے امتزاج جمیل کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ داعی میں تواضع وانکسار پایا جائے اور اس کی دعوت بھی محض اللہ اور اس کے دین کی طرف ہو، تاکہ نہ اس کی اپنی شخصیت ایک نیا بت بن سکے اور نہ ہی اس کے حلقہ بگوش ایک نئے فرقے کی صورت اختیار کر سکیں۔

5۔ 'دعوت الی اللہ' کے بہت سے پہلو اور بے شمار مدارج ومراتب ہیں۔ مگر ان گزارشات کا اصل موضوع 'دعوت الی اللہ' کی وہ ابتدائی اور بنیادی منزلیں ہیں جن تک ہر باشعور مسلمان کی رسائی ممکن بھی ہے اور لازم بھی!

اُسوۂ حسنہ

اب میں آپ کی توجہ سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ان واقعات کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بعثت کے فوراً بعد پیش آئے تاکہ ایک طرف 'دعوت الی اللہ' کے اصل مبادی واصول اور اس کا صحیح نہج واسلوب واضح ہو جائے اور دوسری طرف یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ خود آنحضور ﷺ کی دعوت کے ابتدائی دور میں وہ تمام مشکلات پیش آئیں اور اُن تمام دل شکنیوں کا سامنا کرنا پڑا جو کسی بھی دعوت کے ابتدائی ایام میں پیش آنی لازمی ہیں۔ اور آپ نے بعینہٖ انہی فطری طریقوں کو اختیار فرمایا جو کسی بھی شخص کو کسی دعوت کے پیش کرنے کے لیے لازماً اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ آنحضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کی زندگی بھی اخلاق حسنہ کا ایک کامل نمونہ تھی اور آپؐ کی سیرت واخلاق پر کسی قسم کا کوئی داغ یا دھبہ موجود نہ تھا۔ آپؐ نے اپنے حسنِ اخلاق اور راست معاملگی کی بدولت اپنے معاشرے سے ''الصادق'' اور ''الامین'' کے خطابات حاصل کیے تھے۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ آپؐ نے یہ خطابات زندگی کی عین منجدھار میں رہتے ہوئے حاصل فرمائے تھے نہ کہ اس سے دُور کسی گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر۔ آپؐ ہمیشہ اپنی سوسائٹی میں ایک فعال فرد کی حیثیت سے شریک رہے، حتیٰ کہ آپؐ نے اس وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر کاروبار بھی فرمایا اور حقیقت یہ ہے کہ دراصل اسی میدان میں آپؐ کی 'صداقت' اور 'امانت' کے اصل جوہر نمایاں ہوئے۔ بعد میں جب آپؐ 'دعوت الی اللہ' کے منصب پر فائز ہوئے تو اس وقت آپؐ کی دعوت کی تاثیر میں جہاں اس بات کو دخل ہے کہ خود وہ دعوت فطرتِ انسانی کے نہایت قریب اور عقلِ صحیح وطبعِ سلیم کی جانی پہچانی تھی وہاں اس امر کو بھی فیصلہ کن حد تک دخل حاصل ہے کہ اس کا پیش کرنے والا 'الصادق' اور 'الامین' تھا ﷺ (وفداہ ابی وامی!)

قربِ بعثت کے زمانے میں آپ پر تفکر کا غلبہ ہو گیا اور رفتہ رفتہ ''حاضر وموجود'' سے بے زاری اور حقیقتِ نفس الامری کی تلاش وجستجو کا جذبہ بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ فَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَیَتَحَنَّثُ فِیْہِ'' کہ پھر آپؐ کو خلوت گزینی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپؐ غارِ حرا میں خلوت گزیں ہوتے تھے اور وہاں عبادت فرماتے تھے۔ شروحِ حدیث میں اس عبادت کی نوعیت التفکر والاعتبار یعنی غور وفکر

> دعوت الی اللہ ایک طرف تو از روئے قرآن امت مسلمہ کا مقصد وجود اور فرض منصبی ہے اور دوسری طرف ہمارے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤکد ترین سنت ہے

اور عبرت پذیری بیان ہوئی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ سلسلہ کتنے عرصے چلا۔ بہرحال وہ وقت آ گیا کہ ''تلاشِ حقیقت میں سرگرداں'' کو ہدایت نامہ حاصل ہوا، وحی کا سلسلہ شروع ہوا، حقیقت پر سے پردے اُٹھا دیئے گئے۔ آپ کو منصبِ نبوت عطا ہوا اور آپ ''دعوت الی اللہ'' کے علمبردار اور قرآن مجید کے الفاظ میں ﴿شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (الاحزاب 45,46) بنا دیئے گئے! فصلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

بعثت کے فوراً بعد دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ فطری طور پر سب سے پہلے ان قریب ترین لوگوں کو دعوت دی گئی جن کے ساتھ آپ کا اٹھنا بیٹھنا رہا تھا اور جو آپ کے اخلاق و عادات سے سب سے زیادہ واقف تھے، یعنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، چچازاد بھائی جنہوں نے آپ ہی کے سایۂ عاطفت میں تربیت پائی تھی، یعنی حضرت علیؓ، آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ اور جگری دوست حضرت صدیق اکبرؓ۔ چنانچہ یہ سب حضرات پہلے ہی دن ایمان لے آئے اور یہیں سے ''دعوت الی اللہ'' کا پہلا سبق واضح ہوا، یعنی یہ کہ یہ گھر سے شروع ہوتی ہے اور اس کا اولین میدان انسان کے قریب ترین اعزہ و اقارب ہیں یا عزیز ترین اصدقاء و احباب!

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ دعوت کو زندہ کریں اور اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آپ میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرے کہ آج سے میں ''دین کا داعی'' اللہ کی طرف پکارنے والا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دعوت کا ادنیٰ متبع ہوں

پھر ان سابقون السابقین، نے اتباعِ سنت کا جو مفہوم سمجھا اور آنحضرت ﷺ کی سنتِ دعوت کا جس طور سے اتباع کیا اس کی سب سے درخشاں مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قائم فرمائی کہ داعیِ اعظم ﷺ کے اتباع میں خود بھی فوری طور پر داعی بن گئے اور یہ ان ہی کی دعوت و تبلیغ کا اثر تھا کہ ''سابقون الاولون'' کے سرکردہ اور گلِ سرسبد عثمان غنیؓ، عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، ابوعبیدہؓ بن الجراح، عثمانؓ بن مظعون وغیرھم اللہ کے دین میں داخل اور اُمتِ محمدی ﷺ میں شامل ہوئے، فجزاہ اللہ عن جمیع المسلمین والمسلمات خیر الجزاء۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت رسول ﷺ کا اصل تقاضا آپ کی سنتِ دعوت کا اتباع ہے۔ واضح رہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کوئی زاویہ نشین یا گوشہ گیر انسان نہ تھے بلکہ معاشرے کے ایک متمول اور با اثر شخص اور ایک نہایت کامیاب تاجر تھے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ہر شخص کے احسانات کا حساب چکا دیا سوائے ابوبکرؓ کے۔ ان کے احسانات کا بدلہ میں نہیں دے سکتا، اللہ ہی دے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بالکل ابتدائی دور کی دعوت و تبلیغ سے اُمتِ محمدیہ ﷺ کو ان مایۂ ناز ہستیوں کا تحفہ دے کر جو احسان عظیم کیا ہے، پوری اُمت اس کا بدلہ چکانے سے تاقیامت معذور رہے گی!! یہ دعوت الی اللہ کے ''شجرہ طیبہ'' کی ایک شاخ کا ذکر تھا جو تمام شاخوں میں سب سے بڑی تھی، لیکن تنہا نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اس دعوت پر ایمان لایا وہ فوری طور پر خود بھی اس کا داعی بن گیا۔

''اصلِ ثابت'' کی طرف رجوع کیجیے۔ حضور ﷺ کو حکم ملا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ اپنے قریبی عزیزوں کو خبردار کرو۔ سوچیے! آج بھی کسی کو حکم ہو کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو کوئی پیغام پہنچا دو تو وہ اس کے لیے سب سے اچھا طریقہ کون سا اختیار کرے گا؟ آنحضور ﷺ نے اپنے پورے گھرانے یعنی بنو ہاشم کی دعوت کا اہتمام فرمایا۔ چالیس کے لگ بھگ آدمیوں کو کھانا کھلانے کے بعد ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنی چاہی، لیکن ابولہب کی بکواس نے اس کا موقع ہی نہ دیا اور مجلس ویسے ہی برخاست ہو گئی۔ سوچیے کتنی دل شکنی اور کیسی مایوسی کا سامنا حضور ﷺ کو ہوا ہو گا۔ لیکن ''داعی الی اللہ'' کے لیے مایوسی کا کیا سوال، پھر اہتمام فرمایا۔ دوبارہ دعوت فرمائی اور پھر کھانا کھلایا۔ روایت ہے کہ بھرے مجمعے میں سے صرف ایک نوجوان جسے نوجوان کے بجائے بچہ ہی کہنا زیادہ مناسب ہے، ایسا نکلا جس نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ چشم تصور سے دیکھیے کہ اللہ کا رسول ﷺ اپنے خاندان کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن کوئی ایک متنفس بھی ٹس سے مَس نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ تو پہلے ہی سے اپنے تھے، ان دونوں دعوتوں کا حاصل تو صفر ہی رہا۔ ایسے ہی تو مواقع تھے جن پر وحی الٰہی تسلی و تشفی کے لیے اترتی تھی کہ ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ اور ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾

حکم ہوا: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ جس بات کا تجھے حکم ملا ہے اسے برملا اور علی الاعلان کہہ! آپ نے وقت کے رواج اور دستور کے مطابق کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر نعرہ لگایا ''واصباحاہ'' لوگو! خطرہ درپیش ہے، فوراً جمع ہو جاؤ۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے ''پہاڑی کا وعظ'' ارشاد فرمایا۔ ارشاد ہوا: ''اے معشر قریش! اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟'' سب نے کہا ''کیوں نہیں؟ جبکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے ہی دیکھا ہے؟'' تب آپ نے فرمایا: ''تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر دردناک عذاب نازل ہو گا!'' لوگ سخت برہم ہوئے اور کہتے ہیں کہ اسی موقع پر ابولہب نے کہا تھا ''تَبًّا لَّكَ، اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا'' تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، کیا بس اسی لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا؟ جس پر سورۃ اللہب نازل ہوئی کہ ہاتھ محمد ﷺ کے نہیں بلکہ ابولہب کے ٹوٹ چکے! لیکن ابولہب کے ہاتھوں کا ٹوٹنا تو ابھی عالمِ امر میں تھا، عالمِ واقعہ میں تو اس کا ظہور بہت بعد میں ہوا۔ اس وقت جو صورت بالفعل موجود تھی وہ تو یہی تھی کہ آنحضور ﷺ گویا اندھوں اور بہروں کے سامنے اپنی دعوت پیش فرما رہے تھے جس کا قبول کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ''پہاڑی کے اس وعظ کا تجزیہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اصل دلیل داعی کی صداقت و امانت کا وہ عام اقرار ہے جو سوسائٹی میں موجود تھا اور مقام نبوت کی وضاحت کے لیے موقع اور محل کے اعتبار سے بہترین تمثیل پیش کی گئی ہے کہ جیسے بلندی پر کھڑا ایک شخص دونوں طرف دیکھ رہا ہوتا ہے جبکہ پستی میں کھڑے لوگ دوسری طرف کے حالات سے واقف نہیں ہو سکتے، اسی طرح نبی کی نگاہ میں دنیا و آخرت دونوں ہوتے ہیں جبکہ عام انسانوں کی نگاہیں دنیا کے بھی صرف ظاہر تک محدود ہوتی ہیں۔

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾ (روم:7)

اس طرح رفتہ رفتہ دعوت کا حلقہ وسیع ہوا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ایسے کتنے اجتماعات کو آپؐ نے خطاب فرمایا، کتنے لوگوں سے ان کے گھروں میں جا کر ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کی۔ دُھن کا عالم یہ تھا کہ جب بھی معلوم ہوا کہ کوئی قافلہ باہر سے آیا ہوا ہے یا کوئی نو وارد مکے میں موجود ہے، آپؐ اس کے پاس پہنچ جاتے اور اپنی دعوت پیش فرماتے۔ اسی سے دعوت اور تعلیم و تدریس کا فرق واضح ہوتا ہے۔ معلم مدرس یوں در در کی ٹھوکریں نہیں کھاتے بلکہ وہ مطلوب و مرجع ہوتے ہیں اور طالبانِ علم ان کے پاس آتے اور ان کی ناز برداریاں کرتے

ہیں جبکہ داعی طالب ہوتا ہے اور لوگ مطلوب۔ وہ گھر گھر جاتا ہے، ہر دروازے پر دستک دیتا ہے، ہر گوش تک اپنی آواز پہنچاتا ہے۔ لوگ تمسخر کرتے ہیں، تعذیب سے بھی نہیں چوکتے، جھٹلاتے اور دھتکارتے ہیں تو ''داعی الی اللہ'' رات کے وقت اپنے رب کے حضور میں عاجزی وفروتنی کے ساتھ گڑگڑا کر ان کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتا ہے اور ایک ایک کا نام لے کر درخواست کرتا ہے کہ ''باری تعالیٰ! عمر ابن الخطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کوئی ایک تو مجھے ضرور ہی عطا فرما دے!'' ایک طرف یہ اور دوسری طرف یہ بھی نگاہ میں رہے کہ ''داعی الی اللہ'' کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا نہیں بلکہ ایک انتہائی حساس قلب ہوتا ہے جو ابنائے نوع کے کفر وانکاری پر بُری طرح تڑپتا ہے، ان کے انجام بد کے تصور سے اس پر غم واندوہ کی جو حالت طاری ہوتی ہے اس سے اس پر عین عالم شباب میں بڑھاپے کے آثار طاری ہو جاتے ہیں اور وحی الٰہی کو بار بار

حقیقت یہ ہے کہ اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے انسان کے لیے اس مرتبے سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں کہ وہ ''دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ'' اور ''سِرَاجًا مُّنِیْرًا'' ﷺ سے کسب نور کر کے خود بھی ہدایت کا ایک چھوٹا سا چراغ بن جائے

تسلی وتشفی ہی نہیں محبت آمیز تنبیہ بھی کرنی پڑتی ہے کہ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ اور ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ (الکہف:6) اے رسول ﷺ کیا تم ان کے کفر وانکار پر صدمہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر لو گے؟

﴿طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾

''ہم نے یہ قرآن تم پر اس لیے تو نہیں اتارا کہ تم ایسی سخت مشقت میں پڑ جاؤ۔''

دعوت کے اساسی نکات

بات طویل ہو جائے گی۔ دعوت کے اس ابتدائی مرحلے کے بعد تعذیب وابتلاء کا جو دور شروع ہوا اور جن صبر آزما اور جاں گسل حالات سے آنحضور ﷺ اور آپ کے رفقائے کرام کو گزرنا پڑا وہ اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا میں ان گزارشات کو ''دعوت الی اللہ'' کی صرف ابتدائی منزلوں تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ البتہ ان کو ختم کرنے سے قبل میں آنحضور ﷺ کا ایک خطبہ آپ کو ضرور سنانا چاہتا ہوں جو یقیناً اسی ابتدائی دور کا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوگا کہ ''دعوت الی اللہ'' کے اساسی وبنیادی نکات کیا ہیں اور اس میں اوّل اوّل کن امور پر زور دیا جاتا ہے! خطبات نبوی ﷺ کی کتابوں میں یہ خطبہ ان الفاظ میں نقل ہوا ہے:

((اِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ اَهْلَهٗ وَاللّٰهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَّا كَذَبْتُكُمْ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَّا غَرَرْتُكُمْ))

''لوگو! تم جانتے ہو کہ رائد اپنے قافلے والوں کو کبھی دھوکا نہیں دیتا۔ خدا کی قسم! اگر (بفرض محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ کہہ سکتا تب بھی تم سے کبھی نہ کہتا اور اگر تمام انسانوں کو فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی نہ دیتا۔''

((وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّاِلَى النَّاسِ كَافَّةً))

''اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوع انسانی کی طرف عموماً!''

((وَاللّٰهِ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ، ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ، ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسُّوْءِ سُوْءًا وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))

''خدا کی قسم تم سب مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو، پھر یقیناً اٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو، پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھا اور بُرائی کا بُرا۔ اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی۔''

اپنے اس خطبے میں آنحضور ﷺ نے نبی کے لیے انتہائی بلیغ مثال رائد کی دی ہے۔ رائد کسی قافلے کا وہ معتمد ترین فرد ہوتا تھا جو سفر کی اگلی منزل کا تعین کرتا تھا اور قافلے سے آگے جا کر معلوم کرتا تھا کہ کس جگہ پڑاؤ مناسب رہے گا کہ پانی اور چارے کی سہولتیں فراہم ہوں۔ ظاہر ہے کہ ''رائد'' کے صدق وامانت پر ہی پورے قافلے کی سلامتی کا دارومدار ہوتا تھا اور اس کی ذرا سی غلط بیانی پورے قافلے کی ہلاکت کا سبب بن سکتی تھی۔ یہی حال ''نبی'' کا ہوتا ہے کہ وہ قافلۂ دنیا کو منزلِ آخرت کی خبر دیتا ہے اور یہاں کی مدہوشی وغفلت پر وہاں کے دردناک انجام سے خبردار کرتا ہے۔ اس انتہائی بلیغ پیرائے میں اپنے مقام ومنصب کو واضح فرما کر حضور ﷺ خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی خبر دیتے ہیں اور پھر پورا زور اس بات پر صرف کر دیتے ہیں کہ غافلو ہوشیار ہو جاؤ، نیند کے ماتو جاگو۔ جیسے روزانہ شام ہوتی ہے ایسے ہی تمہاری پوری زندگی کے دن پر بھی ایک شام آئے گی، اور جس طرح تم پر روز نیند طاری ہو جاتی ہے اس طرح اس شام کو موت تمہیں اپنی آغوش میں لے لے گی۔ پھر جس طرح تم روزانہ صبح بیدار ہو جاتے ہو اسی طرح ایک دن تمہیں موت کی نیند سے اٹھا لیا جائے گا۔ ﴿فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝﴾ (المدثر:9) پھر تمہارے زندگی بھر کے اعمال کا حساب ہوگا اور پھر بدلہ مل کر رہے گا بھلائی کا بھلائی سے، یعنی ہمیشہ کے لیے جنت اور برائی کا برائی سے، یعنی ہمیشہ کی آگ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت الی اللہ کے بنیادی اور اساسی نکات تو تین ہی ہیں، یعنی توحید، رسالت اور معاد، لیکن ان میں بھی ابتداءً اصل زور آخرت کے محاسبے اور جزا وسزا سے خبردار کرنے پر ہونا چاہیے۔ پورا قرآن مجید اور خصوصاً ابتدائی مکیات اس پر شاہد عادل ہیں۔ اور دعوت کا جو پہلا حکم آنحضور ﷺ کو دیا گیا وہ تو اُس پر آخری دلیل اور قطعی حجت ہے۔ ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ ''اے کپڑے میں لپٹ کر لیٹنے والے! کھڑا ہو اور خبردار کر!'' اور ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''اور ڈرا اپنے قریبی رشتہ داروں کو''۔ دنیا میں نظامِ دین وشریعت کا نفاذ وقیام 'دعوت الی اللہ' کا ہدف تو یقیناً ہے لیکن اسے ہدفِ بعید کہنا چاہیے۔ اس کا اوّلین ہدف ابنائے نوع کی اُخروی فلاح ونجات ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسے ہے جیسے آگ کا ایک بڑا الاؤ ہے اور تم اس میں گر پڑنے کو تیار ہو اور میں تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر اس میں گرنے سے روک رہا ہوں۔ پھر ظاہر ہے کہ جس سے جتنی زیادہ محبت ہوا تنا ہی وہ اس دعوت میں مقدم ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ خاص اپنے گھرانے کے افراد کو لے کر بیٹھتے تھے اور فرماتے تھے ((يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ ﷺ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا)) (باقی صفحہ 20 پر)

داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی نظر میں

رسول عربی ﷺ کی دعوت وہی دعوت ہے جس کی طرف ابتدائے آفرینش سے ہر داعیٔ حق بلاتا رہا ہے یعنی بندگیٔ رب اور آپ اُسی دین فطرت کی طرف تلقین کرتے ہیں جس کی تلقین ہمیشہ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے کی ہے

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

دنیا میں انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیشہ ایسے پاک نفوس پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے اپنی زبان اور اپنے عمل سے اس کو حق و صداقت کا سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ لیکن انسان اکثر ان کے اس احسان کا بدلہ ظلم ہی کی شکل میں دیتا رہا ہے۔ ان پر ظلم صرف ان کے اپنے مخالفوں ہی نے نہیں کیے کہ ان کے پیغام سے بے رُخی ہوتی، ان کی صداقت سے انکار کیا، ان کی دعوت کو رد کر دیا اور ان کو تکلیفیں دے کر راہِ حق سے پھیرنے کی کوشش کی۔ بلکہ ان پر ظلم ان کے عقیدت مندوں نے بھی کیا کہ ان کے بعد ان کی تعلیمات کو مسخ کیا، ان کی ہدایتوں کو بدل ڈالا، ان کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریف کی اور خود ان کی شخصیتوں کو اپنی عجائب پسندی کا کھلونا بنا کر اُلوہیت اور خدائی کا رنگ دے دیا۔ پہلی قسم کا ظلم تو ان نفوسِ قدسیہ کی زندگی تک، یا حد سے حد اس کے چند سال بعد تک ہی محدود رہا۔ مگر یہ دوسری قسم کا ظلم ان کے بعد صدیوں تک ہوتا رہا اور بہت سے بزرگوں کے ساتھ اب تک ہوئے جا رہا ہے۔

جن بزرگوں کی نبوت معلوم و مسلّم ہے ان میں سب سے بڑھ کر ظلم سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ ویسے ہی ایک انسان تھے جیسے سب انسان ہوا کرتے ہیں۔ بشریت کی تمام خصوصیتیں ان میں بھی اسی طرح موجود تھیں جس طرح ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت و نبوت اور اعجاز کی قوتیں عطا فرما کر ایک بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کے لیے مامور فرمایا تھا۔ لیکن اوّل تو ان کی قوم نے ان کو جھٹلایا اور پورے تین سال بھی ان کے وجودِ مسعود کو برداشت نہ کر سکی، یہاں تک کہ عین عالمِ شباب میں انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر جب وہ ان کے بعد ان کی عظمت کی قائل ہوئی تو اس قدر حد سے تجاوز کر گئی کہ اُن کو خدا کا بیٹا بلکہ عین خدا بنا دیا، اور یہ عقیدہ اُن کی طرف منسوب کیا کہ خدا مسیح کی شکل میں اس لیے نمودار ہوا تھا کہ صلیب پر چڑھ کر انسان کے گناہوں کا کفارہ ادا کرے، کیونکہ انسان فطرتاً گناہ گار تھا اور اپنے عمل سے اپنے لیے نجات حاصل نہ کر سکتا تھا۔ معاذ اللہ! ایک نبی صادق اپنے پروردگار پر اتنا بڑا بہتان کس طرح اٹھا سکتا تھا مگر اس کے معتقدوں نے جوشِ عقیدت میں اس پر یہ بہتان اٹھایا اور اس کی تعلیمات میں اپنی ہوائے نفس کے مطابق اتنی تحریف کی کہ آج دنیا کی کسی کتاب میں (سوائے قرآن کے) مسیح کی اصل تعلیم اور خود ان کی حقیقت کا نشان نہیں ملتا۔ بائبل کے عہد جدید میں جو کتابیں اناجیلِ اربعہ کے نام سے موجود ہیں انہیں اٹھا کر دیکھ جاؤ سب طلول، ! ابنیت اور عینیت کے فاسد تخیلات سے آلودہ ہیں۔ کہیں حضرت مریمؑ کو بشارت ہوتی ہے کہ تیرا بچہ خدا کا بیٹا کہلائے گا (لوقا:35) کہیں خدا کی رُوح کبوتر کے مانند یسوع پر اُترتی ہیں اور پکار کر کہتی ہے کہ ''یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔'' (متی:17-16)

دنیا کے تمام ہادیوں میں یہ خصوصیت صرف محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ کی تعلیم اور آپ کی شخصیت 13 صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہے۔ انسان کی اوہام پرستی اور اعجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی، جو کمال کے سب سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ چکی تھی، افسانہ بنا کر اُلوہیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بجائے محض ایک تحیر و استعجاب اور عبادت و پرستش کا موضوع بنا لیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثتِ انبیاء کے آخری مرحلہ میں ایک ایسا ہادی و رہنما بھیجنا منظور تھا جس کی ذات انسان کے لیے دائمی نمونۂ عمل اور عالمگیر سرچشمۂ ہدایت ہو۔ اس لیے اس نے محمد ابن عبداللہ ﷺ کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا جو جاہل معتقدوں کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیانِ اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اوّل تو آپؐ کے صحابہ و تابعین اور بعد کے محدثین نے پچھلی امتوں کے برعکس اپنے نبی ﷺ کی سیرت محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے جس کی بنا پر ہم آپؐ کی شخصیت کو ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی آج تقریباً اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے خود آپؐ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔ لیکن اگر کتابوں کا وہ تمام ذخیرہ دنیا سے مٹ جائے جو آئمہ اسلام نے سالہا سال کی محنتوں سے مہیا کیا ہے حدیث و سیر کا ایک ورق بھی دنیا میں نہ رہے جس سے محمد ﷺ کی زندگی کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہو، اور صرف کتاب اللہ (قرآن) ہی باقی رہ جائے۔ تب بھی ہم اس کتاب سے ان تمام بنیادی سوالات کا جواب حاصل کر سکتے ہیں جو اس کے لانے والے کے متعلق ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

آیئے، آپ ہم دیکھیں کہ قرآن اپنے لانے والے کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے:

1۔ قرآن مجید نے رسالت کے معاملہ میں سب سے پہلے جس مسئلہ کو انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے وہ رسول ﷺ کی بشریت ہے۔ نزولِ قرآن سے پہلے صدیوں کے معتقدات نے یہ ایک طے شدہ مسئلہ بنا دیا تھا کہ انسان کبھی اللہ کا رسول اور نائب نہیں بن سکتا۔ دنیا کی اصلاح کے لیے جب کبھی ضرورت ہو خدا خود ہی انسان کی صورت میں ظاہر ہُوا کرتا ہے، یا کسی فرشتے یا دیوتا کو بھیج دیتا ہے، اور یہ کہ جتنے بزرگ دنیا میں اصلاح کے لیے آئے ہیں وہ سب کے سب فوق البشر ہستی تھے۔ اس عقیدے نے انسان میں اتنی گہری جڑیں پکڑ لی تھیں کہ جب کبھی اللہ کا کوئی نیک بندہ لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے آتا تو سب سے پہلے لوگ حیرت سے پوچھتے تھے یہ کیسا نبی ہے جو ہماری طرح کھاتا پیتا، سوتا اور چلتا پھرتا ہے! یہ کیسا پیغمبر ہے کہ ہماری طرح تمام عوارض اس کو بھی لاحق ہوتے ہیں؟ بیمار ہوتا ہے تکلیف اور راحت میں مبتلا ہوتا ہے اور رنج و مسرت سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ اگر اللہ کو

ہماری ہدایت مقصود ہوتی تو وہ ہم جیسا ایک کمزور انسان کیوں بھیجتا؟ کیا خدا خود نہیں آ سکتا تھا؟ یہ سوالات ہر نبی کی بعثت پر ہوتے تھے اور انہی کو حجت بنا کر لوگ انبیاء کا انکار کیا کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف پیغام لے کر آئے تو کہا گیا:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ o﴾ (المؤمنون:24)

''یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تم ہی جیسا ایک انسان ہے جو تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اگر خدا چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا۔ یہ انوکھی بات تو ہم نے اپنے بزرگوں سے کبھی سنی نہ تھی (کہ انسان خدا کا پیغمبر بن کر آئے)۔''

جب حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تو ان پر بھی سب سے پہلے یہی اعتراض ہوا۔

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ o وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ o﴾ (المومنون:33-34)

''یہ شخص اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر ہے تم ہی جیسا ہے۔ وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو بڑے گھاٹے میں رہو گے۔''

جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون کے پاس صداقت کا پیغام لے کر پہنچے تو ان کی بات ماننے سے بھی اسی بناء پر انکار کر دیا گیا:

﴿اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ (مومنون:48)

''کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟''

چنانچہ ٹھیک یہی سوال اس وقت بھی اٹھا جب مکہ کے ایک اُمی انسان نے چالیس برس تک خاموش زندگی بسر کرنے کے بعد دفعۃً اعلان کیا کہ میں خدا کی طرف سے رسول مقرر کیا گیا ہوں۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ ایک شخص جو ہماری طرح ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک اور جسم و جان رکھتا ہے کیونکر اللہ کا رسول ہو سکتا ہے۔ وہ حیران ہو کر پوچھتے تھے کہ:

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا o اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ﴾ (الفرقان:8-7)

''اور کہتے یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس پر کوئی فرشتہ اترا کہ اس کے ساتھ رہ کر لوگوں کو ڈراتا؟ یا کم از کم اس کے لیے کوئی خزانہ ہی اتارا جاتا یا اس کے پاس کوئی باغ ہوتا جس کے پھل یہ کھاتا۔''

یہ غلط فہمی چونکہ رسالت کے تسلیم کے لئے جانے میں سب سے زیادہ مانع ہو رہی تھی اس لیے قرآن مجید میں پورے زور کے ساتھ اس کی تردید کی گئی اور دلائل کے ساتھ بتایا گیا کہ انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی زیادہ موزوں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بعثت کا مقصود صرف تعلیم ہی دینا نہیں ہے بلکہ عمل کر کے دکھانا اور تقلید و پیروی کے لیے ایک نمونہ پیش کرنا بھی ہے اور اس مقصد کے لیے ایک فرشتہ یا اور کوئی فوق البشر ہستی بھیجی جائے جس میں بشری خصائص اور کمزوریاں موجود نہ ہوں تو انسان کہہ سکتا ہے کہ ہم اس طرح کیونکر عمل کر سکتے ہیں جب کہ وہ ہماری طرح نفس اور نفسانی خواہشات ہی نہیں رکھتا اور اس کی فطرت میں وہ

جہل و نادانی نے جب خدا رسیدگی کو خدائی کا ہم معنیٰ بنا دیا تو طبعاً اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی پیدا ہو گیا کہ خدا رسیدہ لوگوں میں غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں

قوتیں ہی نہیں جو انسان کو گناہ کی طرف راغب کرتی ہیں۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا o﴾ (بنی اسرائیل:95)

''کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو البتہ ہم بھی ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔''

پھر صاف طور پر تصریح کی کہ اس سے پہلے جتنے انبیاء اور ہادیانِ برحق مختلف قوموں میں بھیجے گئے وہ سب ایسے ہی انسان تھے جیسے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور اسی طرح کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے جس طرح ہر انسان کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ o وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ o﴾ (الانبیاء:8,7)

''ہم نے تم سے پہلے جن لوگوں کو بھیجا تھا وہ بھی آدمی ہی تھے جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ ہم نے ان انبیاء کو ایسے جسم نہیں دیئے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ غیر فانی تھے۔''

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ﴾ (الفرقان:2)

''اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے تھے وہ سب کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔''

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ﴾ (الرعد:38)

''اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے تھے اور ان کے لیے ہم نے بیویاں بھی پیدا کی تھیں اور ان کی اولاد بھی تھی۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تم اپنے بشر ہونے کا صاف اعلان کر دو تا کہ آپ کے بعد لوگ آپ کو بھی اسی طرح اُلوہیت سے متصف نہ کرنے لگیں جس طرح آپ سے پہلے دوسرے انبیاء کو کر چکے تھے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں متعدد جگہ یہ بات آئی ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ (الکہف:110)

''اے محمد ﷺ کہہ دو کہ میں تو محض تمہی جیسا انسان ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی ہے۔''

ان تصریحات نے صرف محمد ﷺ ہی کے متعلق تمام فاسد عقائد کا دروازہ بند نہیں کیا۔ بلکہ تمام انبیائے سابقین و بزرگانِ دین کی ذات سے بھی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔

2۔ دوسری چیز جس کو نہایت وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ نبی کی قوت و قدرت کا مسئلہ ہے۔ جہل و نادانی نے جب خدا رسیدگی کو خدائی کا ہم معنیٰ بنا دیا تو طبعاً اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی پیدا ہو گیا کہ خدا رسیدہ لوگوں میں غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں۔ خدا کے کارخانہ میں ان کو کچھ خاص اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جزا و سزا میں ان کو دخل ہوتا ہے، غیب و شہادت سب کچھ ان پر روشن ہوتا ہے، قسمتوں کے فیصلے ان کی مرضی و رائے سے ادلتے بدلتے ہیں، نفع و ضرر پر ان کو اقتدار ہوتا ہے، خیر و شر کے وہ مالک ہوتے ہیں، کائنات کی تمام قوتیں ان کے تابع ہوتی ہیں اور وہ بیک نظر لوگوں کے دلوں کو بدل کر ان کی ظلمت و ضلالت کو دُور کر سکتے ہیں۔

ایسے ہی خیالات تھے جن کی بناء پر لوگ رسول اکرم ﷺ سے بھی عجیب عجیب مطالبے کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل:90تا93)

''انہوں نے کہا ہم تو تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ جب تک تم ہمارے لیے زمین میں سے ایک چشمہ نکال دو، یا تمہارے لیے خرما اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور اس میں تم نہریں رواں کر دو، یا جیسا کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو، یا اللہ اور ملائکہ کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو، یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے پر بھی اس وقت تک یقین نہ کریں گے، جب تک کہ تم ہمارے اوپر ایسی ایک تحریر نازل نہ کرو جسے ہم پڑھیں، اے محمد ان سے کہو، پاک ہے میرا رب، کیا میں ایک پیغمبر انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں؟''

خدا رسیدگی اور بزرگی کے متعلق یہ جتنے غلط تصورات لوگوں میں پائے جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی تردید فرمائی اور صاف بتا دیا کہ رسول کا خدائی طاقتوں اور خدائی کاموں میں ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا نبی ہمارے اذن کے بغیر دوسروں کو ضرر سے بچانا تو درکنار خود اپنے آپ سے بھی ضرر کو دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا:

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾ (انعام:17)

''اے نبی! اگر خدا تمہیں کوئی نقصان پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نقصان کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ﴾ (یونس:48)

''اے محمد! کہو، میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا نقصان کی قدرت نہیں رکھتا سوائے اس کے جو خدا چاہے۔''

اور فرمایا کہ نبی کے پاس اللہ کے خزانوں کی کنجیاں نہیں، نہ وہ علم غیب رکھتا ہے، اور نہ اس کو فوق العادت قوتیں حاصل ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ﴾ (انعام:50)

''اے محمد! کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا حال جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہی کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (یعنی انسانی کمزوریوں سے پاک ہوں) میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔''

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۭ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:188)

''اور اگر میں غیب جاننے والا ہوتا تو اپنے لیے بہت کچھ فائدے سمیٹ لیتا اور مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک متنبہ کرنے والا ہوں اور جو میری بات مان لیں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں۔''

''اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا جس نے پیغام دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔'' (القرآن)

نبی کو حساب کتاب اور جزا و سزا میں بھی کچھ دخل نہیں، اس کا کام صرف پیغام پہنچانا اور سیدھی راہ دکھانا ہے۔ آگے محاسبہ اور مواخذہ کرنا اور لوگوں کو جزا اور سزا دینا خدا کا کام ہے: فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (انعام 57,58)

''اے محمد! ان لوگوں سے کہو کہ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ اب یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے کہ جس عذاب کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو وہ میں خود تمہارے اوپر نازل کر دوں۔ فیصلہ بالکل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی امر حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ ان سے کہو کہ اگر کہیں وہ عذاب میرے اختیار میں ہوتا جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مگر اللہ ہی ظالموں سے نمٹنا خوب جانتا ہے۔''

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴾ (الرعد:40)

''اے نبی! تمہارا کام تو بس پیغام پہنچا دینا ہے۔ حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ﴾ (الزمر:41)

''اے نبی! ہم نے لوگوں (کی ہدایت) کے لیے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے۔ اب جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے اپنے لیے اچھا کرتا ہے اور جو گمراہی میں پڑتا ہے اپنے ہی حق میں برا کرتا ہے اور تم ان پر کوئی حوالہ دار نہیں ہو۔''

اور فرمایا لوگوں کے دلوں کو پھیر دینا اور جن لوگوں میں قبول حق کی آمادگی نہ ہو ان میں ایمان پیدا کر دینا نبی کے بس کی بات نہیں ہے۔ وہ ہادی صرف اسی معنی میں ہے کہ نصیحت اور تذکیر کا جو حق ہے اس کو وہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے اور جو راستہ دیکھنا چاہے اسے راستہ دکھا دیتا ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ (النمل:80,81)

''تم مُردوں کو نہیں سُنا سکتے اور نہ بہروں تک آواز پہنچا سکتے ہیں جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر لوٹ جائیں۔ اور نہ تم اندھوں کو گمراہی سے نکال کر سیدھے راستہ پر ڈال سکتے ہو۔ تم تو صرف انہیں لوگوں کو سُنا سکتے ہو جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں، پھر سرِ اطاعت جھکا دیتے ہیں۔''

﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ﴾ (فاطر:22,23,24)

''تم قبر کے مردوں کو سنانے والے نہیں ہو، تم تو صرف آگاہ کر دینے والے ہو اور ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

پھر یہ بھی صاف بتا دیا کہ نبی کو جو کچھ قدر عزت اور

علومرتبت حاصل ہے سب اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اس کے احکام پر ٹھیک ٹھیک چلتا ہے اور جو کچھ کلام اس پر نازل کیا جاتا ہے، اسے جوں کا توں اللہ کے بندوں تک پہنچا دیتا ہے۔ ورنہ اگر وہ اطاعت سے منہ موڑے اور اللہ کے کلام میں اپنے دل سے گھڑ کر باتیں ملا دے تو اس کا کوئی امتیاز باقی نہ رہے بلکہ وہ خدا کی پکڑ سے بچ بھی نہ سکے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾ (البقرہ:145)

''اور اگر تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے باوجود جو تمہارے پاس آ گیا ہے، تو یقیناً اس صورت میں تم ظالم ہو گے۔''

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ۝﴾ (البقرہ:120)

''اور اگر تم نے اس علم کے باجود جو تمہارے پاس آیا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہیں اللہ کی سزا سے بچانے والا کوئی حامی اور مددگار نہ ہوگا۔''

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝﴾ (یونس:15)

''اے محمدؐ! ان سے کہو، مجھ کو اس کلام میں اپنی طرف سے کچھ ردّوبدل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔''

یہ باتیں اس لیے نہیں کہی گئی ہیں کہ معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ سے کسی نافرمانی یا تحریف و تلبیس کا ادنیٰ سا اندیشہ تھا۔ دراصل ان سے مقصود دنیا پر یہ حقیقت واضح کرنا تھا کہ نبی کو بارگاہِ ربّ العزت میں جو تقرب حاصل ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ نبی کی ذات سے اللہ کا کوئی رشتہ ہے، بلکہ اس کے مقرب ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کا نہایت درجہ مطیع فرمان اور دل و جان سے اس کا بندہ ہے۔

3۔ تیسری چیز جس کا بارہا نہایت صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، یہ ہے کہ نبی ﷺ کوئی نئے نبی نہیں، بلکہ جماعتِ انبیاء کے ایک فرد اور اس سلسلۂ نبوت کی ایک کڑی ہیں جو ابتدائے آفرینش سے کر آپ کی بعثت تک جاری رہا اور جس میں ہر قوم اور ہر زمانہ کے انبیاء و رُسل شامل ہیں۔ قرآنِ حکیم نبوت و رسالت کو کسی ایک ذات یا ایک ملک یا ایک قوم سے مخصوص نہیں کرتا بلکہ وہ صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم اور ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے مقدس نفوس پیدا کیے ہیں جنہوں نے انسان کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دی ہے اور گمراہی کے بُرے نتائج سے ڈرایا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۝﴾ (فاطر:24)

''کوئی قوم ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔''

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل:36)

''اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا جس نے پیغام دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے پرہیز کرو۔''

اور انہی پیغمبروں اور ڈرانے والوں میں سے ایک محمد ﷺ بھی ہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى۝﴾ (النجم:56)

''یہ ایک ڈرانے والا ہے اگلے ڈرانے والوں میں سے''

﴿اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝﴾ (یٰسٓ:3)

''اے محمدؐ! یقیناً تم پیغمبروں میں سے ہو۔''

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝﴾ (احقاف:9)

''اے محمدؐ! کہو، میں کوئی نرالا رسول نہیں ہوں، میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ برتا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے اور میں محض ایک ڈرانے والا ہوں صاف صاف''

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ (آل عمران:144)

''محمد تو ایک رسول ہیں اور اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔''

یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ رسولِ عربی کی دعوت وہی دعوت ہے جس کی طرف ابتدائے آفرینش سے ہر داعیٔ حق بُلاتا رہا ہے، اور آپ اُسی دینِ فطرت کی طرف تلقین کرتے میں جس کی تلقین ہمیشہ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے کی ہے:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۡ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ﴾ (البقرہ:137-136)

''کہو، ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس تعلیم پر جو ہماری طرف اُتاری گئی ہے اور اس تعلیم پر جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مطیع فرمان ہیں۔ پس اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو وہ سیدھے راستے پر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانے میں ایسے مقدس نفوس پیدا کیے، جنہوں نے انسانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دی

قرآن مجید کی یہ تصریحات، اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتیں کہ محمد ﷺ پچھلے پیغمبروں میں سے کسی کی تکذیب یا کسی کے لائے ہوئے پیغام کی تردید کرنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ اس لئے آئے تھے کہ اس سچے مذہب کو، جو اوّل دن سے تمام قوموں کے پیغمبر پیش کرتے چلے آئے تھے، بعد کے لوگوں کی ملاوٹوں سے پاک کر کے پھر پیش کر دیں۔

4۔ اسی طرح قرآن مجید اپنے لانے والے کی صحیح حیثیت واضح کرنے کے بعد ان کاموں کی تفصیل بیان کرتا ہے جن کے لیے اللہ نے اسے بھیجا تھا۔

یہ کام بحیثیت مجموعی دو شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شعبہ تعلیمی، دوسرا شعبہ عملی۔

پہلے شعبہ کے کام حسبِ ذیل ہیں:

1۔ تلاوتِ آیات، تزکیۂ نفوس اور تعلیم کتاب و حکمت

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

﴿وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ o﴾
(آل عمران:164)

''درحقیقت ایمان لانے والوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک رسول اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے ورنہ اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

تلاوتِ آیات سے مُراد اللہ کے فرامین اور ارشادات جُوں کا تُوں سنا دینا ہے، تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کے اخلاق اور ان کی زندگی کو بُری صفات، بُری رسموں اور بُرے طریقوں سے پاک کیا جائے اور ان کے اندر اچھے اوصاف، پاکیزہ اخلاق اور صحیح طریقوں کو نشو ونما دیا جائے۔ تعلیم کتاب وحکمت یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی کتاب کا صحیح منشا و مدعا سمجھایا جائے، ان کے اندر ایسی بصیرت پیدا کی جائے کہ وہ کتاب کی اصل رُوح تک پہنچ سکیں، اور انہیں وہ حکمت سکھائی جائے جس سے وہ اپنی زندگی کے تمام مختلف وسعت پذیر پہلوؤں کو کتاب اللہ کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں۔

2۔ تکمیل دین:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط﴾ (المائدہ:3)

''آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے اسلام کے طریقے کو پسند کیا۔''

دوسرے الفاظ میں قرآن کے بھیجنے والے نے اس کے لانے والے سے صرف اتنی ہی خدمت نہیں لی کہ وہ اس کی آیات کی تلاوت کرے۔ نفوس کا تزکیہ کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے، بلکہ اس نے اپنے اسی نیک بندے کے ذریعے سے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ جو آیات نوعِ انسانی تک بھیجنی تھیں وہ سب اس کے واسطے سے بھیج دیں۔ جن خرابیوں سے انسانی زندگی کو پاک کرنا مقصود تھا وہ سب اس کے ہاتھوں سے دور کرا کے دکھا دیں۔ جن خوبیوں کا نشو ونما جس شان کے ساتھ افراد اور سوسائٹی میں ہونا چاہیے تھا اس کا بہترین نمونہ اس کی رہنمائی میں پیش کر دیا اور کتاب وحکمت کی ایسی تعلیم اس کے ذریعے سے دلوادی کہ آنے والے تمام زمانوں میں مقصودِ کتاب کے مطابق زندگی کی تشکیل وتعمیر کی جا سکتی ہے۔

3۔ ان تمام اختلافات کی حقیقت واضح کرنا جو اصل دین میں پچھلے انبیاء کی اُمتوں کے درمیان پیدا ہوگئے تھے اور تمام پردوں کو ہٹا کر، تمام آمیزشوں کو چھانٹ کر، تمام اُلجھنوں کو صاف کر کے، اس راہِ راست کو پوری روشنی میں نمایاں کر دینا جس کی پیروی ہمیشہ سے خدا کی رضا کو پہنچنے کی ایک راہ رہی ہے:

﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o﴾ (النحل:64)

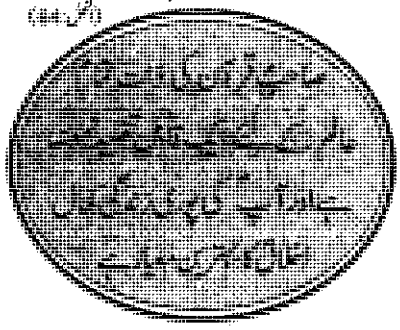

''بخدا کہ ہم نے (اے محمدؐ) تم سے پہلے مختلف اُمتوں کی طرف ہدایت بھیجی، مگر اس کے بعد شیطان نے ان کے غلط اعمال کو ان کے لیے خوش نما بنا دیا چنانچہ وہی ان کا سرپرست بنا ہوا ہے اور وہ دردناک عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے تم پر یہ کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ اس حقیقت کو ان کے سامنے واضح کر دو جس میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، اور اس لیے کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہو ان لوگوں کے لیے جو اس کی پیروی قبول کر لیں۔''

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ط قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ o يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ o﴾ (المائدہ16-15)

''اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے جو تمہارے سامنے بہت سی ان چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنہیں تم کتاب میں سے چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کتاب آ گئی ہے جس کے ذریعے سے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی پسند کے مطابق چلتے ہیں امن وسلامتی کی راہیں دکھاتا ہے اور انہیں تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور سیدھی راہ کی طرف اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔''

4۔ نافرمانوں کو ڈرانا، فرمانبرداروں کو رحمتِ الٰہی کی خوشخبری دینا اور اللہ کے دین کی اشاعت کرنا۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا o وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾ (احزاب:45,46)

''اے نبی! ہم نے تم کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور ایک روشن کر آفتاب بنا کر بھیجا ہے۔''

دوسرا شعبہ عملی زندگی اور اس کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے دو کام ہیں:

1۔ نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، حرام وحلال کی حدود قائم کرنا اور انسان کو خدا کے سوا اور دوسروں کی عائد کردہ پابندیوں سے آزاد اور ان کے لائے ہوئے بوجھوں سے ہلکا کرنا:

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o﴾ (الاعراف:157)

''وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے اور ان بندشوں کو کاٹتا ہے جن میں وہ دبے اور جکڑے ہوئے تھے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

2۔ بندگانِ خدا میں حق وعدل کے ساتھ فیصلہ کرنا۔

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا o﴾ (النساء:105)

''اے محمدؐ! ہم نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے تا کہ تم اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرو اور خیانت کرنے والوں کے وکیل نہ بنو۔''

3۔ اللہ کے دین کو اس طرح قائم کر دینا کہ انسانی زندگی کا پورا نظام اسی کے تابع ہو اور دوسرے سب طریقے اس کے مقابلے میں دب کر رہ جائیں۔

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبہ:33)

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے پوری جنس حق پر غالب کردے۔''

اس طرح نبی کے کام کا یہ شعبہ سیاست، عدالت، اصلاحِ اخلاق وتمدن اور قیامِ تہذیب صالح کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہوجاتا ہے۔

4۔ محمد ﷺ کا یہ کام کسی ایک قوم یا ملک یا دور کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نوعِ انسانی کے لیے عام ہے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (السبا:28)

''اے محمد! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لیے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾ (اعراف:158)

''اے محمدؐ! کہو، اے انسانو! میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں، اس خدا کا جو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کا مالک ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، جو مارتا ہے اور زندہ کرتا ہے پس ایمان لاؤ خدا پر اور اُس کے رسول نبی اُمی پر جو خدا اور اس کے فرامین پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کی پیروی کرو، امید ہے کہ تم راہ راست پالوگے۔''

﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ (انعام:18)

''اے محمدؐ! کہو اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعے سے تم کو متنبہ کردوں اور ہر اس شخص کو جسے یہ پہنچے۔''

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ۝﴾ (التکویر:27,28)

''یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے، ہر اس شخص کے لیے جو تم میں سے راست رَو بننا چاہے۔''

5۔ نبوتِ محمدی کی ایک اور خصوصیت قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس پر سلسلۂ نبوت ورسالت ختم کردیا گیا اور اس کے بعد دنیا کو پھر کسی نبی کی حاجت باقی نہ رہی۔

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ﴾ (احزاب:40)

''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔''

یہ درحقیقت لازمی نتیجہ ہے نبوتِ محمدی کی عالمگیری اور ابدیت اور تکمیل دین کا۔ چونکہ قرآن کے مذکورہ بالا بیانات کی رو سے محمد ﷺ کی نبوت تمام دنیا کے انسانوں کے لیے ہے نہ کہ ایک قوم کے لیے، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے نہ کہ ایک زمانہ کے لیے اور آپ کے ذریعہ سے وہ کام بھی پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے جس کے لیے دنیا میں انبیاء کے آنے کی ضرورت تھی، اس لیے یہ سراسر معقول بات ہے کہ آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کردیا گیا۔ اس مضمون کو خود نبی ﷺ نے بہترین اسلوب کے ساتھ ایک حدیث میں واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک نہایت خوبصورت مکان بنایا اور تمام عمارت بنا کر صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب جو لوگوں نے اس کے گرد چکر لگایا تو وہ خالی جگہ انہیں کھٹکنے لگی اور کہنے لگے کہ اگر یہ آخری اینٹ بھی رکھ دی جاتی تو مکان بالکل مکمل ہوجاتا۔ سو وہ آخری اینٹ جس کی جگہ نبوت کے محل میں باقی رہ گئی تھی میں ہی ہوں۔ اب میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ اس مثال سے ختم نبوت کی وجہ صاف سمجھ میں آجاتی ہے۔ جب دین کامل ہو چکا، آیاتِ الٰہی پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوچکیں، اور امر ونواہی، عقائد وعبادات، تمدن اور معاشرت، حکومت و سیاست، غرض انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق پورے پورے احکام بیان کردیے گئے اور دنیا کے سامنے اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ اس طرح پیش کر دیا گیا کہ ہر قسم کی تلبیس وتحریف سے پاک ہے اور ہر عہد میں اس سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے، تو نبوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ صرف تجدید وتذکیر کی ضرورت رہ گئی ہے جس کے لیے علمائے حق اور مومنین صادقین کی جماعت کافی ہے۔

6۔ آخری سوال جو دریافت طلب رہ جاتا ہے، یہ ہے کہ اس کتاب کا لانے والا ذاتی طور پر کس قسم کے اخلاق کا انسان تھا؟ اس سوال کے جواب میں قرآن مجید نے محض اشارۃً آنحضرت کی اخلاقی خصوصیات ظاہر کی ہیں جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وجودِ مسعود میں کمالِ انسانیت کے بہترین خصائص موجود تھے۔

1۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا اخلاق کے نہایت بلند مقام پر تھا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝﴾ (القلم:4)

''اور اے محمدؐ! یقیناً تم اخلاق کے بڑے درجے پر ہو۔''

2۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک راسخ العزم مستقیم الارادہ اور اللہ پر ہر حال میں بھروسہ رکھنے والا انسان تھا کہ جس وقت اس کی ساری قوم اسے مٹا دینے پر آمادہ ہوگئی تھی اور وہ صرف ایک مددگار کے ساتھ ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا، اس سخت مصیبت کے وقت بھی اس نے ہمت نہ ہاری اور اپنے عزم پر قائم رہا:

﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبہ:40)

''یاد کرو جب کہ کافروں نے اس کو نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب کہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے''

3۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک نہایت فراخ حوصلہ اور فیاض انسان تھا جس نے اپنے بدترین دشمنوں کے لیے بھی بخشش کی دُعا کی اور آخر اللہ تعالیٰ کو اسے اپنا یہ قطعی فیصلہ سنا دینا پڑا کہ وہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا:

﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ (توبہ:80)

''چاہے تم ان کے لیے معافی مانگو چاہے نہ مانگو، اگر تم ستر بار بھی ان کے لیے معافی مانگو گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہ کرے گا۔''

4۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کا مزاج نہایت نرم تھا۔ وہ کبھی کسی کے ساتھ درشتی سے پیش نہیں آتا تھا اور اسی لیے دنیا اس کی گرویدہ ہوگئی تھی:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران:159)

''یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے ساتھ نرم ہو، ورنہ اگر تم زبان سے تیز اور دل کے سخت ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ کر الگ ہوجاتے۔''

5۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا بندگانِ خدا کو

راہِ راست پر لانے کی سچی تڑپ دل میں رکھتا تھا اور ان کے گمراہی پر اصرار کرنے سے اس کی روح کو صدمہ پہنچتا تھا حتیٰ کہ وہ ان کے غم میں گھلا جاتا تھا:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

(الکہف:6)

''اے محمدؐ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان کے پیچھے رنج وغم میں اپنی جان کھو دو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائے۔''

6۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کو اپنی اُمت سے بے حد محبت تھی، وہ ان کی بھلائی کا حریص تھا، ان کے نقصان میں پڑنے سے کُڑھتا تھا، اور ان کے حق میں سراپا شفقت ورحمت تھا:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (توبہ:128)

''تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک ایسا رسول آیا ہے جسے ہر وہ چیز شاق گزرتی ہے جو تمہیں نقصان پہنچانے والی ہو۔ جو تمہاری فلاح کا حریص ہے اور اہلِ ایمان کے ساتھ نہایت شفیق ورحیم ہے۔''

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

(انبیاء:107)

''اے محمدؐ! ہم نے تم کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

8۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا راتوں کو گھنٹوں اللہ کی عبادت کرتا اور خدا کی یاد میں کھڑا رہتا تھا:

﴿اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ﴾ (المزمل:20)

''تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات کا قیام کرتے ہو۔''

9۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کا لانے والا ایک سچا انسان تھا، نہ کبھی اپنی زندگی میں راہِ حق سے بھٹکا، نہ فاسد خیالات سے متاثر ہوا اور نہ کبھی اس نے ایک لفظ خواہشِ نفس کی پیروی میں حق کے خلاف زبان سے نکالا:

﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى﴾ (النجم:2,3)

''لوگو! تمہارا صاحب نہ کبھی سیدھی راہ سے بھٹکا اور نہ صحیح خیالات سے بہکا اور نہ وہ خواہشِ نفس سے بولتا ہے۔''

10۔ وہ بتاتا ہے کہ اس کے لانے والے کی ذات تمام عالم کے لیے ایک قابلِ تقلید نمونہ تھی اور اس کی پوری زندگی کمالِ اخلاق کا صحیح معیار تھی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (احزاب:21)

''تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں ایک اچھا نمونہ ہے۔''

قرآن مجید کا تتبع کرنے سے صاحب قرآن کی بعض اور خصوصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ لیکن اس مضمون میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ جو کوئی قرآن کا مطالعہ کرے گا وہ خود دیکھ لے گا کہ بخلاف دوسری موجود الوقت مذہبی کتابوں کے یہ کتاب اپنے لانے والے کو جس رنگ میں پیش کرتی ہے وہ کس قدر صاف، واضح اور آلودگی سے پاک ہے۔ اس میں نہ اُلوہیت کا کوئی شائبہ ہے، نہ تعریف وثنا میں مبالغہ ہے، نہ غیر معمولی قوتیں آپ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، نہ آپ کو خدا کے کاروبار میں شریک وسہیم بنایا گیا ہے، اور نہ آپ کو ایسی کمزوریوں سے متہم کیا گیا ہے جو ایک ہادی اور داعی الی الحق کی شان سے گری ہوئی ہوں۔ اگر اسلامی لٹریچر کی دوسری تمام کتابیں دنیا سے ناپید ہو جائیں اور صرف قرآن مجید ہی باقی رہ جائے تب بھی رسولِ اکرم ﷺ کی شخصیت کے متعلق کسی غلط فہمی کسی شک وشبہ اور کسی لغزش عقیدت کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ہم اچھی طرح معلوم کر سکتے ہیں کہ اس کتاب کا لانے والا ایک کامل انسان تھا، بہترین اخلاق سے متصف تھا، انبیائے سابقین کی تصدیق کرتا تھا، کسی نئے مذہب کا بانی نہ تھا اور کسی فوق البشر حیثیت کا مدعی نہ تھا۔ اس کی دعوت تمام عالم کے لئے تھی، اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے چند مقرر خدمات پر مامور کیا گیا تھا اور جب اس نے خدمات کو پوری طرح انجام دے دیا تو نبوت کا سلسلہ اس کی ذات پر ختم ہو گیا۔

✪✪✪✪✪✪

بقیہ: دعوت الی اللہ کے اصول ومبادی

''اے فاطمہؓ، محمد ﷺ کی بیٹی اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو، اس لئے کہ اللہ کے یہاں مجھے تمہارے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا، اور اے صفیہ اللہ کے رسول کی پھوپھی! خود اپنے آپ کو آگ سے بچانے کی فکر کرو۔ اس لیے کہ اللہ کے یہاں مجھے تمہارے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا!''

حضرات! یہ ہیں ''دعوت الی اللہ'' کے اصول و مبادی اور یہ ہے اس کا اسلوب ونہج۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو آج کی اس مجلس سے یہ فیصلہ کر کے اٹھیں کہ ہم ان اصولوں اور اس اسلوب پر ''دعوت الی اللہ'' کا کام کریں گے اور حضور نبی کریم ﷺ کی ''سنتِ دعوت'' کا اتباع کریں گے۔ میں نے اپنی اس بحث کو دعوت کے ابتدائی مراحل تک اس لیے محدود رکھا ہے کہ مجھے یقین ہے اور میں علیٰ وجہ البصیرت جانتا ہوں کہ اگر اس اسلوب پر ''دعوت الی اللہ'' کے چھوٹے چھوٹے چراغ اور ننھے ننھے دیے ہمارے شہروں، بستیوں اور قصبوں میں روشن ہو گئے تو پھر اس دعوت کے اعلیٰ مقامات اور بلند تر منازل کا سامان بھی فراہم ہو جائے گا، اور نہ صرف یہ کہ ایک ایسی اجتماعی قوت بہم پہنچ جائے گی جو اُمتِ محمدی کے جملہ اخلاقی وروحانی عوارض کا مداوا کرے اور ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ کی مصداق بن جائے۔ بلکہ وہ دن بھی دُور نہ رہے گا جب یہ اُمت بحیثیتِ مجموعی ''دعوت الی اللہ'' کے فریضے کو ادا کرے گی اور ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ کی صحیح معنی میں مصداق ہوگی اور تمام نوعِ انسانی پر نبی اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کی جانب سے اتمامِ حجت کرے گی ﴿لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ﴾ اس کے برعکس اگر ترتیب یہ رہے کہ بلند بانگ دعاوی سے کام شروع کیا جائے اور پہلے ہی قدم پر ''عالمی انقلاب'' کا نعرہ لگایا جائے اور نجاتِ اُخروی کا بس تبرکاً تذکرہ کر کے قیامِ حکومتِ الٰہیہ اور نفاذِ نظامِ اسلامی کو اولین ہدف بنا کر جدوجہد شروع کی جائے تو بسا اوقات چند ہی قدم چل کر انسان ہار جاتا ہے اور خود اپنی طے کردہ راہ کی کسی ادنیٰ سی چیز کو اپنا ''عبوری نصب العین'' قرار دے کر بس اسی کا ہو رہتا ہے۔ فنعوذ باللہ من ذٰلک!

دعوت دین اور اولوالعزم من الرسل

چوہدری رحمت اللہ بٹر

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾

(الشوریٰ:13)

سورۃ الشوریٰ کی اِس آیت میں پانچ اولوالعزم من الرسل کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی کہ دین کو قائم کریں۔ یہی حقیقت ہے جسے سورۃ الحدید کی آیت نمبر 25 میں بھی تمام رسولوں کے حوالے سے واضح کیا گیا ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

''بے شک ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر اور نازل کیا ان پر کتاب اور میزان کو، تاکہ انسانیت عدل وقسط پر رہ کر زندگی گزارے۔''

اب ہم نے دیکھنا ہے کہ تمام رسولوں نے یہ فریضہ کیسے ادا کیا، اِس کے لیے دعوت دین کے تقاضے کیسے پورے کیے؟

ان رسولوں میں حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پوری تفصیل بیان کردی ہے کہ دعوت کا کام انہوں نے کس طور سے انجام دیا۔ سورۂ نوح میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا﴾ (نوح:5)

''جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوحؑ نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بُلاتا رہا۔''

انہوں نے قوم کو دعوت دینے میں 950 سال گزارے اور ایک ایک فرد کے پاس جاکر پیغام ربانی پہنچایا۔ کہیں ان کے اجتماعات میں علانیہ اور کہیں ان کے گھروں میں جاکر ذاتی رابطہ سے یہ کام سرانجام دیا۔ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے دائرہ سے شروع کرکے خاندان، رشتہ دار، بستی کے مکین اور سرداروں تک دعوت کو ہر انداز سے پہنچایا۔ انہوں ذاتی رابطہ کیا۔ لوگوں کے انکار پر بھی اُن سے علیحدگی اختیار نہیں کی بلکہ بار بار حاضر ہوئے۔ دراصل پیغمبر خدا پر یہی دھن سوار ہوتی ہے کہ سارے انسان اللہ کے عذاب سے بچ جائیں اور انسانی ہمدردی کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہی محبت وخیر خواہی جو داعی کو متحرک رکھتی ہے اور اُسے راہ حق میں اپنے مال، اوقات اور صلاحیتیں لگانے پر آمادہ رکھتی ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ حضرت نوحؑ نے اتنے سالوں میں کیا کیا مصائب جھیلے ہوں گے۔ اِس راہ میں گالیاں بھی سنی ہوں گی، دھکے بھی کھائے ہوں گے، خاندان والوں کے بائیکاٹ سے بھی واسطہ پڑا ہوگا اور اس پر مستزاد بیوی اور اپنے بچوں کی ریشہ دوانیاں بھی سہی ہوں گی۔

اب دیکھیے، دوسرے اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیمؑ کا معاملہ۔ ایک جان اور کتنے امتحان، لیکن کس حکمت اور تحمل سے دعوت کا حق ادا کیا۔ بت تراش باپ آذر کو بڑی دلسوزی کے ساتھ دعوت دی۔ بات سمجھانے کے لئے انتہائی نرمی، لجاجت اور مؤدبانہ طریقہ اختیار کیا۔ پھر قوم کو توجہ دلانے کے لئے کیا کہ جن کو تم پوجتے ہو وہ تو اپنی حفاظت کا بھی اختیار وقوت نہیں رکھتے، تمہاری بگڑی کیا بنائیں گے۔ پھر ایک اور تکنیک اختیار کی، جسے قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

﴿لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء:57,58)

''میں تمہارے بتوں کے ساتھ تدبیر کروں گا، اس سے پہلے کہ تم اپنے جشن سے واپس لوٹو۔ پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا، سوائے ان کے بڑے کے تاکہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

پھر دیکھیے، کس جرأت سے بادشاہ کے دربار میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حیثیت کا لوہا منوایا اور اپنے دین کو بچانے کے لئے ہجرت کی راہ اختیار کی۔ پھر اللہ کے دین کے مراکز قائم کئے، بیت الحرام تعمیر کیا اور تمام انسانیت کو ان کے احترام کے مشاہدہ کی دعوت دی۔ گویا پوری زندگی دعوت دین ہی میں کھپا دی۔

تیسرے رسول موسیٰ علیہ السلام کی زندگی پر نگاہ ڈالیے، آپؑ نے فرعون کے ہاں پرورش پانے کے باوجود کس دلیری سے اسے دعوت حق پہنچائی اور پھر اپنی قوم میں تجدید ایمان کے لئے کتنے سال محنت کی اور فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف سے ایذاؤں کو برداشت کیا اور پھر بنی اسرائیل کو راہ راست پر چلانے کے لئے ان کی قربانیوں کے باوصف کس طرح دن رات ایک کئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کے تین سال ایسے گزارے جیسے نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ دنیا میں بے وطن اور مسافر کی حیثیت سے رہو۔ آپؑ نے نہ کہیں مکان بنایا نہ باغ لگائے بلکہ دن رات اسی دھن میں گزار دیئے کہ بنی اسرائیل اللہ کے احکامات پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اِس غرض سے انہوں نے عوام کے ساتھ ان کے علماء وشیوخ بھی کو مخاطب کیا اور حق دعوت ادا کیا۔

اور سب سے بڑھ کر ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے دعوت دین کے فریضہ کی ادائیگی اور اس پر صبر ومصابرت کے واقعات کو قرآن مجید میں محفوظ کردیا اور سیرت رسول ﷺ کو ہم تک پہنچانے کا بندوبست کیا، تاکہ ہم اس فریضہ کو ادا کرنے میں ان کے نقش قدم پر چل سکیں۔

نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلے اپنے قریب ترین دائرہ میں یعنی اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ، خادم خاص حضرت زید، چھوٹے چچازاد بھائی حضرت علیؓ اور جگری یار حضرت ابوبکر صدیقؓ تک یہ پیغام پہنچایا، پھر مکہ کا کوئی گھر، کوئی گلی، چوک چوراہا نہیں ہوگا کہ جس میں کھڑے ہوکر دعوت نہ دی ہو۔ آپؐ نے بازاروں میں گھروں کی کنڈیاں کھٹکھٹا کر لوگوں کو دعوت دی۔ پھر کوئی کاروباری مرکز اور مذہبی اجتماع نہ ہوگا کہ جس میں تشریف نہ لے گئے ہوں اور مختلف قبائل کے سرداروں کو ذاتی سطح پر نہ دعوت دی ہو۔ حج کے موقع پر منیٰ کے میدان کے ایک ایک خیمہ میں گئے اور بڑی تفصیل کے ساتھ اہل خیمہ کو دعوت حق پہنچائی۔ (باقی صفحہ 35 پر)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی داستانِ عزیمت

محمد خالد

نبی کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکہ کی سنگلاخ وادی میں جب دعوت حق پیش کی تو سرداران قریش کی جانب سے انتہائی سخت ردعمل سامنے آیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے سگے چچا آپؐ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ کفار نے آزمائشوں کی بھٹیاں دہکالیں، مصائب کے پہاڑ توڑ ڈالے، مخالفتوں کی انتہا کر دی، مزاحمتوں کی وہ داستان رقم کی جس کا منظر دنیا نے پہلے کبھی نہ دیکھا۔ بعثت سے پہلے آپؐ پر پھول نچھاور کرنے والے ہاتھوں نے پتھر اُٹھالیے، دست شفقت، دست غضب و قہر بن گئے، صادق اور امین کہنے والے دشمن مغلظات بکنے لگے۔ صاف ستھری راہیں پرخار بن گئیں۔ ان مشکل حالات میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے جانثاران آپ کی جھولی میں ڈالے جن کو دنیا آج صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے نام سے جانتی ہے۔ جن کے بارے میں قرآن حکیم نے بھی شہادت دی کہ

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبہ:71)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور حمایتی ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔''

یعنی کاروانِ حق کے راہیوں نے محض زبان سے محمد ﷺ کی نبوت کا اقرار نہیں کیا، بلکہ وہ اس مقصد عظیم کے لیے میدان عمل میں آئے اور شہادت علی الناس کے فریضے کو حرزِ جان بنایا اور اس کے لیے ان گنت اور بیش بہا قربانیاں دیں۔ گلستان محمد ﷺ کے ان گنت پھولوں میں سے ایک پھول کی مثال نذر قارئین ہے کہ جس کی خوشبو سے وہ عظیم المرتبت ہستیاں مستفید ہوئیں جن کو بعد میں تاریخ اسلام کے پہلے شہداء کا درجہ حاصل ہوا۔ گلستان محمد ﷺ کا یہ پھول حضرت عمار بن یاسرؓ ہے۔ یہ وہ خوش بخت صحابی ہیں جن کے بارے میں نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

((اِنَّ عَمَّارًا مُلِئَ اِيْمَانًا اِلٰى مُشَاشِهٖ))

''عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے لبریز ہیں۔''

اس فرمان نبویؐ سے اس عظیم المرتبت صحابی سے رسول اکرم ﷺ کی محبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ قحطانی النسل ہیں۔ ان کے اجداد یمن کے رہنے والے تھے۔ عمارؓ کے والد حضرت یاسرؓ اپنے ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں عرب کی خاک چھانتے ہوئے مکہ پہنچ گئے اور بالآخر یہیں پر اقامت اختیار کر لی اور آپ نے ابوحذیفہ مخزومی کی ایک کنیز حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔ جن کے بطن سے حضرت عمارؓ نے جنم لیا۔ ابوحذیفہ بڑا منصف سردار اور خوش اخلاق انسان تھا۔ وہ یاسرؓ اور ان کے اہل وعیال سے بڑی محبت اور شفقت سے پیش آتا تھا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ابوحذیفہ نے حضرت سمیہؓ کو تو آزاد نہیں کیا مگر عمارؓ کو بچپن ہی میں آزاد کر دیا تھا۔

> حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب خاندان یاسر کو مصیبت میں دیکھتے تو فرماتے: ''صبر کرو یا آل یاسر، بلاشبہ جنت تمہارا مقدر ہو چکی ہے''

حضرت عمارؓ ابھی جوان ہی تھے کہ اسلام کا پیغام ان کے کانوں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ رشد وہدایت سے استفادہ کے لیے دارارقم میں نبی کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ دروازے پر حضرت صہیبؓ سے ملاقات ہوئی۔ عمارؓ نے پوچھا کہ آپؓ کس ارادے سے آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں دین محمدؐ کو قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں تو عمارؓ بولے کہ خدا کی قسم میرا بھی یہی ارادہ ہے۔ اس طرح دونوں ایک ساتھ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ نے جن دنوں اسلام قبول کیا ان دنوں اسلام کا علانیہ اظہار مشکل تھا، لہٰذا صحابہؓ رات کی تاریکی میں دارارقم میں جمع ہوتے اور قرآن کی آیات کو یاد کرتے اور صبح ہونے سے ہی قبل گھروں کو روانہ ہو جاتے۔ آپؓ ایک رات جب گھر تشریف لائے تو آپ کے والدین حضرت یاسرؓ اور سمیہؓ نے آپ سے رات بھر غائب رہنے کے بارے میں پوچھا تو آپؓ نے بتایا کہ میں محمدؐ کی خدمت اقدس میں تھا اور میں ان کے دین کو قبول کر چکا ہوں اور آپ کو بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ بھی دین محمدیؐ کو قبول کرنے والے بن جائیں۔ آپ کی مدلل دعوت کے آگے حضرت یاسرؓ اور سمیہؓ نے ہتھیار ڈال دیئے اور یوں پورا گھرانہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

کفار کے سرداروں کو اس پورے کنبے کے اسلام قبول کرنے کی خبر ملی تو انہوں نے خاندان کے تمام افراد کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ تینوں کو مکہ کی آگ اگلتی ہوئی سنگلاخ چٹانوں پر عین دوپہر کے وقت لٹا دیا جاتا اور سینوں پر بھاری بھرکم پتھر رکھ دیئے جاتے۔ پھر ان بنوا کو آگ کے انگاروں سے داغا جاتا۔ بسا اوقات پانی کے غوطے دیئے جاتے اور کبھی نیزوں کی انیوں اور تلواروں کی نوکوں سے کچوکے دیئے جاتے۔ حضور ﷺ جب اس خاندان کو ستم کی چکی میں پستے دیکھتے تو ارشاد فرماتے:

((اِصْبِرُوْا يَا اٰلَ يَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ))

''اے خاندان یاسر! ان مصائب پر صبر کرو۔ بلاشبہ جنت تمہارا مقدر ہو چکی ہے۔''

ایک بار نبی کائناتؐ نے حضرت عمار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹے ہوئے دیکھا، شدت الم چہرے سے ہویدا تھی۔ مگر عمارؓ کی زبان پر کلمہ حق جاری تھا اور کفار مکہ آپؓ سے ترک اسلام کا مطالبہ کر رہے تھے۔ رحمت دو عالمؐ نے جب یہ منظر دیکھا تو انتہائی دکھی دل سے یہ دعا آپ کی زبان مبارک سے نکلی کہ:

((يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا عَلَى ابْنِ يَاسِرَ كَمَثَلِ اِبْرَاهِيْمَ))

''اے آگ ابن یاسر پر ٹھنڈی ہو جا، جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو گئی تھی۔''

ایک مرتبہ حضرت عمارؓ کے والد محترم جناب حضرت یاسرؓ کو مخاطب کر کے حضور نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اصبروا ''صبر کرو'' اس کے بعد آپ نے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں ہاتھ بلند کیے اور دعا فرمائی کہ:

((اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ اٰلَ یَاسِرٍ))

''اے باری تعالیٰ یاسر کے خاندان کو بخش دے۔''

حضرت عمار کی والدہ ماجدہ گو نحیف و کمزور جسم کی مالک تھیں مگر استقامت کی اس پیکر خاتون نے عزم و استقامت کی وہ مثالیں قائم کیں جن کا مطالبہ قرآن حکیم اپنے بندوں سے کرتا ہے اور پھر اس پر جنت کی بشارت سناتا ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۝﴾ (سورہ حم السجدہ:30)

''بے شک جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو اُس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

اگرچہ کفار مکہ کی تمام تر سزاؤں نے حضرت عمارؓ کی چٹان جیسی پشت جھکا دی اور قویٰ شل کر دیے، لیکن آپ کی روح کسی کمزوری اور عجز کا شکار نہیں ہوئی۔ حضرت عمارؓ کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد حضرت یاسرؓ کو شہید کر دیا مگر استقامت کے پہاڑ کے عزم میں کوئی لغزش نہ آئی۔ ابوجہل نے ان کی والدہ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تو اللہ کی بندی نے جواب میں کہا کہ ''موت وحیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور موت کا ایک وقت معین ہے اور اس وقت کو کوئی بھی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔'' یہ جرأت مندانہ گفتگو سن کر بدبخت ابوجہل آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے نیزے کا وار حضرت سمیہؓ کی شرمگاہ میں کر دیا جس سے اللہ کی یہ نیک بندی اُس جنت کو سدھار گئیں جن کا وعدہ ان سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا۔ اور سورۃ الزمر کی آیت نمبر 18 میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝﴾

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت سے نوازا اور یہی لوگ دانش سے بہرہ مند ہوں گے۔''

ایک مرتبہ حضرت عمارؓ کو سرداران قریش کے جلادوں نے تپتے جلتے، پتھروں کے نیچے دبکتی ہوئی زمین پر لٹایا۔ پھر آپ کو پانی میں غوطے دیئے۔ یہ عمل اس انتہا کو پہنچ گیا کہ حضرت عمارؓ کا دم گھٹ گیا اور آپ کے جسم پر زخم اور چھالے ابل پڑے اور وقتی طور پر آپ حواس کھو بیٹھے اور جلادوں کے تقاضے پر زبان سے کلمۂ کفر کہہ بیٹھے۔ جب ہوش آیا تو بے ہوشی کی صورت میں کہے گئے کلمات مجسم صورت میں آپ کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ آپ نے سوچا کہ اب اس گناہ کی تلافی ہو سکتی ہے نہ بخشش ومغفرت، لہٰذا آپؓ نے مسلسل رونا شروع کر دیا۔ رسول اکرمؐ نے اپنے صحابی کو روتے دیکھا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ عرض کیا، اللہ کے رسول بری خبر ہے۔ میں نے تشدد وتعذیب کے نتیجے میں حواس کھونے کے بعد بتوں کے حق میں کلمۂ خیر کہہ دیا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ عمار تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ! دل تو میرا مطمئن ہے۔ آپؐ نے فرمایا: عمار! اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور تمہارے ایمان اور مقام میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ سورۃ النحل کی یہ آیت مبارکہ اسی سلسلہ میں نازل ہوئی۔

﴿مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۝﴾ (النحل:106)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اُس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اُس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے عذاب ہے۔''

حضرت عمار بن یاسر کی وفات جنگ صفین کے دوران ہوئی۔ حضرت علیؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمار ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ کے نبی نے زندگی میں ہی جنت کی بشارت دی تھی۔

برادران اسلام! حضرت عمار بن یاسرؓ کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے رہنمائی یہ ہے کہ آپ نے پہلے دعوت دین کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا اور ثانیاً اس دعوت کا آغاز اپنے اہل خانہ سے کیا، جس کے نتیجے میں آپ کی والدہ اور والد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم پہلے خود دعوت دین کا مصداق بنیں اور اسی عمل کے دوران اپنے اہل خانہ کو بھی اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے رہیں۔ اور اس راہ میں جو صعوبتیں اور مشکلیں برداشت کرنا پڑیں ان پر صبر کریں۔

تبلیغ کس کے لیے؟

☆ آنحضرت ﷺ پر تمام دنیا میں قیامت تک کے لیے تبلیغ دین کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس کی طرف نبی کریم ﷺ نے رہنمائی فرما کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی تکمیل کا کام اپنی امت کے سپرد فرمایا تاکہ یہ امت ہر ملک، ہر قوم اور ہر زبان میں قیامت تک اس دین کی تبلیغ کرتی رہے۔

☆ اس تبلیغ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط مقرر ہے کہ یہ دل سے کی جائے، زبان سے کی جائے، عمل سے کی جائے، بلا تقسیم وتفریق، پورے دین کی کی جائے، بے خوف لومۃ لائم اور بے رورعایت کی جائے، اور اگر ضرورت داعی ہو تو جان دے کر کی جائے۔

☆ اس جماعتی فرض کی ادائیگی کا باضابطہ ادارہ خلافت کا ادارہ تھا اور جب تک یہ ادارہ موجود تھا ہر مسلمان اس فرض کی ذمہ داریوں سے سبکدوش تھا۔

☆ اس ادارہ کے منتشر ہو جانے کے بعد اس فرض کی ذمہ داری اُمت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گئی۔

☆ اب اس فرض کی مسؤلیت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے دو ہی راہیں مسلمانوں کے لیے باقی رہ گئی ہیں: یا تو اس ادارہ کو قائم کریں یا کم از کم اس کو قائم کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

☆ اگر مسلمان ان میں سے کوئی بات نہ کریں تو وہ اس فرض رسالت کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف اپنی ہی غلط کاریوں کا وبال اپنے سر نہ لیں گے، بلکہ خلق کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر آئے گا۔

(دعوت دین اور اس کا طریق کار — مولانا امین احسن اصلاحی)

اشاعتِ اسلام کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور صحابہ کرامؓ کا روشن کردار

مرزا ندیم بیگ

حضور نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں جب نعرہ حق بلند کیا تو سرداران قریش کو اپنی مضبوط اور مستحکم سرداریاں دعوت حق کے بحر بیکراں میں خس وخاشاک کی طرح بہتی نظر آئیں۔ چنانچہ وہ فوراً میدان میں آ گئے کہ اس دعوت کے سیلاب کے آگے بند باندھیں۔ انہوں نے رسول خدا حضرت محمدؐ اور ان کے ساتھیوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) پر اپنے قہر اور جبر کے پہاڑ توڑ دیئے مگر صحابہ کرامؓ نے اس راستے میں قربانیوں کی وہ تاریخ رقم کی جس کی مثال رہتی دنیا تک پیش نہیں کی جا سکے گی۔ چنانچہ اس کا نتیجہ وہی نکلا کہ سرداران قریش کی سرداریاں سربازار پاؤں تلے روندی گئیں۔

آزمائش اور سختیاں راہِ حق کا خاصہ ہیں۔ سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر 2 میں یہی حقیقت بیان کی گئی۔

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝﴾

''کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا۔''

سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 142 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ۝﴾

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں لڑنے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔''

سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 16 میں ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ﴾

''کیا تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جنہوں نے (اس کی راہ میں) جان فشانی کی۔''

درج بالا آیت مبارکہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کے لیے قربانی ناگزیر ہے۔ اور وہ قربانی جان اور مال کی قربانی ہے۔ یہ مرحلہ مؤمنین کے لیے لازم ہے اور اس کے لزوم کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بھٹی سے جماعت انبیاء ورسل کو بھی گزارا ہے اور سید الانبیاء ﷺ خود بھی اس عمل سے گزرے ہیں۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیے، کہ ابتدائے اسلام کے دنوں میں جب آپؐ کی دعوت کو مکہ میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہ ہوئی تو آپ نے وادی طائف جانے کا فیصلہ کیا کہ شاید یہاں کے لوگ اس دعوت کو قبول کرنے والے بن جائیں۔ آپؐ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہؓ تھے۔ طائف کے لوگوں نے آپ کی دعوت سنتے ہی آپ کا تمسخر واستہزاء کیا اور علاقے کے اوباش نوجوانوں اور بچوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ جنہوں نے آپؐ پر پتھروں کی

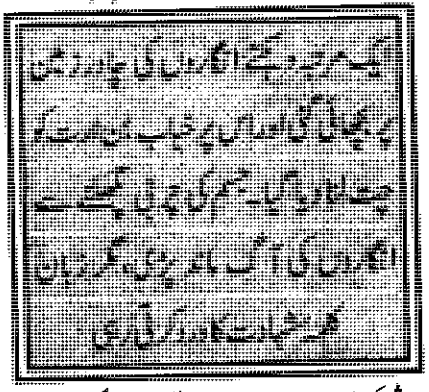

بارش کر دی۔ حضرت زید بن حارثہؓ نبی کائناتؐ کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور پتھروں کو اپنے سینے پر سہنا شروع کر دیا، مگر پتھروں کی بارش چہار طرفہ تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ کے نبی زخموں سے چور ہو گئے۔ جسم اطہر سے خون مبارک اس قدر بہا کہ نعلین پاک خون سے بھر گئیں۔

جماعت صحابہؓ میں سے طبقۂ غلاماں کے صحابہؓ پر ظلم وستم کے جو پہاڑ ٹوٹے ہیں، ان کا تصور کرتے ہوئے بھی دانتوں تلے پسینہ آتا ہے۔ جس کی سب سے نمایاں مثال حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے۔ ابتدائے اسلام کے دنوں میں آپ کو قسم قسم کی ایذائیں اور تکلیفیں دی گئیں۔ مثلاً انہیں تپتی ریت اور دہکتے انگاروں پر لٹا دیا جاتا۔ گلے میں رسی ڈال کر اوباش نوجوانوں کے حوالے کر دیا جاتا جو مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں آپ کو گھسیٹتے پھرتے۔ تپتی ریت پر لٹا کر بھاری بھرکم پتھر آپ کے سینے پر رکھ دیا جاتا اور آپ کا آقا بدبخت امیہ ابن خلف آپ سے مطالبہ کرتا کہ کہہ دے کہ محمد ﷺ کے خدا کو نہیں مانتا، مگر اللہ کے دین کا عاشق صادق اس قدر آزمائش میں بھی ''احد، احد'' پکارتا یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔ متعدد مرتبہ حضرت بلالؓ کو مردہ جانور کی کھال میں لپیٹ کر کھال کو سی دیا گیا اور دن بھر مکہ کی چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا گیا۔ گرمی کی شدت سے کھال سوکھ کر بلالؓ کو جکڑ لیتی مگر اللہ کے اس محبوب بندے کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہ آتی۔ بلالؓ کا آقا ہر روز بلال کو تختۂ مشق بناتا، مگر وہ ایک مرتبہ بھی اپنے خداؤں لات وعزیٰ کے لیے ایک کلمۂ خیر نہ کہلوا سکا۔

اسی طرح حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جب آپؓ نے دعوت حق کو قبول کر لیا تو آپ کی مالکہ ام نمارہ نے آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے اور تعذیب اور تشدد کے نت نئے طریقے آزمانے کا فیصلہ کیا اور اس کام میں اپنے بھائی سباع بن عبدالعزیٰ کو بھی شامل کر لیا۔ ام نمارہ اور اس کا بھائی عین دوپہر کے وقت حضرت خباب بن ارتؓ کو بطحاء کی طرف لے کر چلے جاتے، کپڑے اتروا کر آپ کو ننگا کرتے اور لوہے کی زرہیں پہنا دیتے، پانی پینے کی بھی اجازت نہ دیتے اور انگار برساتے سورج کے سامنے لٹا دیتے اور پوچھتے کہ تم محمدؐ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جواب آتا کہ ''وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں وہ دین حق کی ہدایت لے کر آئے ہیں تاکہ ہمیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔'' انسان نما درندے جب یہ جواب سنتے تو آپؐ پر پتھروں اور گھونسوں کی بارش کر دیتے پھر پوچھتے کہ تم ہمارے خداؤں لات اور عزیٰ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ استقامت کا پہاڑ حضرت خبابؓ جواب دیتے کہ ''تمہارے خدا گونگے، بہرے بت ہیں جو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔'' ظالم یہ جواب سنتے تو پتھر کی ایک بھاری بھرکم سل لا کر آپ کی پشت پر رکھ دیتے۔ ایک مرتبہ حضرت خبابؓ کو باندھا گیا اور گرم پتھر لے کر آپ کی ننگی پشت کو رگڑا گیا، حتیٰ کہ آپ کی کھال ادھڑ گئی۔ اسی طرح ایک مرتبہ دہکتے انگاروں کی چادر زمین پر بچھائی گئی اور اس پر خباب بن ارت کو چت لٹا دیا گیا۔ جسم کی چربی پگھلنے سے انگاروں کی آگ ماند پڑی، مگر زبان کلمۂ شہادت کا ورد کرتی رہی۔

کاروان دعوت حق کے ایک راہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے استقامت اور قربانیوں کی وہ

مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک نمونہ رہے گی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے ایک متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ والدین نے اپنے چشم و چراغ کو بہت ہی ناز و نعم سے پالا تھا۔ آپ بہت خوش لباس تھے اور اُس دور میں آپ کے جوڑے کی قیمت دو، دو سو درہم ہوتی تھی جو انتہائی خطیر رقم تھی۔ عمدہ خوشبویات استعمال کرتے تھے۔ جس گلی سے گزرتے فضا خوشبو سے معطر ہو جاتی اور لوگ اندازہ لگا لیتے تھے کہ گلی سے مصعبؓ گزرا ہے۔ پیغام حق کی صدا کانوں تک پہنچی تو ایک لحظہ بھی ضائع کیے بغیر اُسے قبول کیا۔ شروع دنوں میں حضرت مصعبؓ نے اپنا اسلام گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ اس کی دو مصلحتیں تھیں۔ ایک آپؓ کی والدہ آپؓ سے بے حد محبت کرتی تھی اور دوسری آپ اپنی والدہ سے اتنی مالی امداد حاصل کر لیتے تھے کہ جس سے وہ اپنے مظلوم دینی بھائیوں کی دستگیری کر سکیں۔

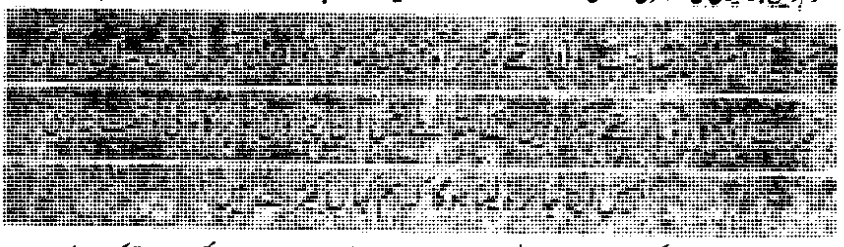

ایک روز والدہ کو کسی ذریعے سے خبر ملی کہ مصعب ان کے خداؤں کا انکار کر کے خدائے ذوالجلال کی غلامی میں چلا گیا۔ یہ خبر والدہ پر بجلی بن کر گری۔ مشفق والدہ قہر بن گئی۔ والہانہ محبت، انتہائی نفرت میں بدل گئی۔ جو ہاتھ مصعبؓ کے لیے باعث رحمت تھے اب وہ باعث زحمت بن گئے۔ اوّلاً والدہ نے انہیں خوب زدوکوب کیا اور آپ کو رسیوں میں جکڑ کر قید تنہائی میں ڈال دیا۔ مگر یہ صعوبتیں اور مشکلات مصعبؓ کو اپنا موقف بدلنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ آپ کی والدہ نے آپ کے چچا کو ساتھ ملایا اور تشدد کی انتہا کر دی۔ آپ کو ایک چٹائی میں لپیٹا گیا اور پھر دھونی دے دی گئی۔ جب کوہ استقامت کے ارادوں کو کوئی بھی آزمائش نہ بدل سکی تو ماں نے کہا کہ میرے گھر سے نکل جاؤ۔ مصعب بن عمیرؓ جب گھر سے چلنے لگے تو ماں نے کہا کہ یہ کپڑے جو تم نے زیب تن کر رکھے ہیں انہیں بھی اتار دو، کیونکہ یہ تیرے مشرک باپ کی کمائی سے سلے ہوئے ہیں۔ مصعبؓ نے کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر وہ لباس تن سے جدا کر دیا اور مادر زاد برہنہ ہو کر گھر سے نکلے اور نعمتوں بھری زندگی کو فقر و تنگ دستی پر ترجیح دی۔ خوش لباسی اور خوشبو پسندی کو چھوڑ کر کھردرے کپڑے کی ایک چادر کو اپنا لباس بنا لیا۔ جس کے ایک پلو سے جسم کا اوپری حصہ ڈھانپ لیتے اور دوسرے حصے سے جسم کے نچلے حصے کو۔ انواع و اقسام کے کھانے کھانے والا ایک دفعہ کھا لیتا تو کئی روز فاقوں کا شکار رہتا۔ نرم و گداز بستروں پر سونے والا اب ننگی زمین پر سونے لگا اور اپنی زندگی قرآن کی دعوت کے لیے وقف کر دی۔ یہی مصعب بن عمیرؓ ہیں جنہوں نے اپنی شیریں گفتار سے اہل مدینہ کو تبلیغ کی اور بڑی تعداد میں لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ مدینہ سے واپس آ کر مصعبؓ نے نبی کائنات سے عرض کی کہ ''اے حبیبؐ! اس شہر جور و جفا کو چھوڑیئے اور اُس بستی مہر و وفا میں آ جایئے۔'' حضورؐ نے مصعبؓ کی یہ عرض منظور کی اور پہلے صحابہؓ کو مدینہ ہجرت کا حکم دیا اور بعد ازاں خود تشریف لے گئے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ سے ملتی جلتی داستان ایک اور صحابی حضرت ذوالحادین رضی اللہ عنہ کی ہے، جن کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا۔ یہ صحابی ابھی بچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ معاشی طور پر چچا کی زیر کفالت آ گئے، لہٰذا چچا کو محسن سمجھتے تھے، اور کبھی ان کے سامنے اونچی زبان میں بات بھی نہ کی اور نہ ہی کبھی ان کی کسی بات سے اختلاف کیا۔ مگر زندگی میں ایک موڑ ایسا آ گیا جب دونوں کی راہیں جدا جدا ہو گئیں، یعنی بھتیجے نے اسلام قبول کر لیا۔ چچا کو معلوم ہوا تو کہا کہ میں تجھ سے سب کچھ چھین لوں گا۔ چچا کا یہ جواب سن کر طالب ہدایت نے فوراً جواب دیا کہ چچا مجھے مال و دولت کی ہرگز پروا نہیں، میں ضرور اسلام قبول کروں گا اور محمد عربیؐ کا اتباع کروں گا۔ آپ جو چاہیں کر لیں کیونکہ میں بت پرستی اور شرک سے بیزار ہو چکا ہوں۔ آپ یہ سارا زر و مال سنبھالیے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ یہ سب کچھ یہیں دھرا رہ جائے گا اور انسان کے ساتھ صرف اس کے اعمال جائیں گے اور قبر کی وحشت ناک تاریکی میں ایمان کی روشنی ہی میرا سہارا بنے گی لہٰذا میں دنیا کے لیے دین کو ترک نہیں کر سکتا۔ چچا نے مادر زاد برہنہ کر کے بھتیجے کو گھر سے نکال دیا۔ ماں نے پوچھا کہ میرے بیٹے تجھے کیا ہو گیا ہے۔ عبدالعزیٰؓ نے فرمایا کہ ''ماں میں مسلمان اور موحد ہو گیا ہوں۔'' ماں کو الوداعی کلمات کہنے کے بعد عبدالعزیٰؓ سیدھے حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

برادران اسلام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استقامت اور دلیری کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ اور ان تمام کو بیان کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ انہیں کی قربانیوں کا اعجاز تھا کہ جزیرہ نمائے عرب سے پھوٹنے والی دعوت نے یکا یک پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس مقصد عظیم کے لیے صحابہؓ نے ہر اُس چیز کو قربان کر دیا جو ہمیں بے حد عزیز ہے۔ صحابہؓ بھی صاحب اولاد تھے، مگر راہِ حق کی خاطر اولاد کی قربانی دی۔ صحابہؓ بھی اہل و عیال اور کنبے قبیلے والے تھے مگر اللہ کی خوشنودی کے لیے ہر محترم رشتے کو بھلا دیا اور ان سے رشتہ جوڑ لیا جو اسلام کی آفاقی روشنی کے دائرے میں آ چکے تھے۔ صحابہؓ کی بھی تجارت اور کاروبار تھے مگر اللہ کے حبیبؐ کے حکم کے مقابلے میں انہوں نے ان سب چیزوں کو انہیں پر کاہ کی وقعت نہیں دی۔ صحابہؓ کی بھی دوستیاں اور تعلقات تھے مگر تمام تعلقات کو تج کر اللہ کی کتاب قرآن حکیم سے مضبوط تعلق قائم کر لیا۔

اب ہمیں اپنا جائزہ لینا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ کیا ہم دین کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو اللہ کا شکر ادا کیجئے اور اگر نہیں کرتے تو خواب غفلت سے بیدار ہو جایئے، کیونکہ زندگی کی ساعتیں مسلسل کم ہوتی جا رہی ہیں، ذرا سوچئے، کہ کہیں ہم ناکام اور نامراد لوگوں میں تو شامل نہیں ہو رہے۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی اِک اور گھٹا دی

ادارہ ''ندائے خلافت'' کی جانب سے
قارئین ''ندائے خلافت'' کو
عید مبارک

اطلاع

عیدالفطر کی تعطیلات کے باعث پریس اور دفاتر بند رہیں گے لہٰذا ندائے خلافت کا آئندہ شمارہ شائع نہ ہوگا (ادارہ)

دعوت دین: قرآن کی نظر میں

نعیم اختر عدنان

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝﴾ (الاحزاب 46-45)

''اے پیغمبر ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔''

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (المائدہ:67)

''اے پیغمبر ﷺ جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو۔ اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ بے شک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ﴾ (النحل:125)

''(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو۔''

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ ۚ﴾ (الشوریٰ:15)

''تو (اے محمدؐ) اسی (دین کی) طرف (لوگوں کو) بلاتے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔''

﴿وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (المؤمنون:73)

''اور تم تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہو۔''

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (یوسف:108)

''کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝﴾ (حم سجدہ:33)

''اور اس شخص سے بات کا اچھا کون ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے اور عمل نیک کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔''

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ (آل عمران:104)

''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔''

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۭ﴾ (آل عمران:110)

''(مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (البقرہ:143)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزمان) تم پر گواہ بنیں۔''

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾ (العصر:3تا1)

''زمانے کی قسم! کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔''

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (التوبہ:71)

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔''

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا

مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا

جو کوئی بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے

فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ

تو اپنے ہاتھ سے اسے روک دے

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ

اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (برائی کو روکے)۔

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ

اگر اس کی استطاعت بھی نہ ہو تو پھر اپنے دل سے (برا جانے)۔

وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ

اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

فریضۂ شہادت علی الناس اور الاخوان المسلمون

سید شیبا احمد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کی فلاح کے لئے جہاں اپنی برگزیدہ ہستیوں کو داعیٔ حق کے منصب پر فائز کیا، وہیں وہ ہر دور میں ایسے گروہ اور جماعتیں بھی پیدا فرماتا رہا ہے جنہوں نے حق کے پیغام کو عام کیا اور اس کے راستے میں آنے والی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ ایک ایسا ہی گروہ دنیائے عرب کی سب سے بڑی اسلامی تحریک ''الاخوان المسلمون'' بھی ہے۔ اس تحریک کی بنیاد 1928ء میں مصر میں رکھی گئی۔

''الاخوان المسلمون'' کے قیام سے قبل عالم عرب کی حالت دگرگوں تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی مصر شدید ترین سیاسی بحران کا شکار تھا۔ اس کے بعد خلافت کی تنسیخ کے اعلان نے عربوں کے اندر قومیت اور وطنیت کے جذبات کو ابھارا اور ان جذبات کا مرکز ومحور مصر بن گیا۔ مصری قوم کو عالم عرب کے اندر اپنی تاریخ، سیاسی حیثیت اور علم وعرفان کے مرکز الازہر کے اعلیٰ مقام اور بعض دوسرے اسباب کی بدولت نمایاں مقام حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں قومیت اور وطنیت کا نعرہ بلند ہوا تو آناً فاناً اس کی صدائے بازگشت پورے عالم عرب میں سنی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ سعد زغلول (متوفی 1627ء) کے نعرہ ''الدین للہ والوطن للجمیع'' کو فروغ حاصل ہوا۔ مصطفیٰ نحاش پاشا (متوفی 1964ء) کی قیادت میں وفد پارٹی کو عروج حاصل ہوا۔ اس زمانے میں وطن پرستی کی آڑ میں بعض شر پسند عناصر نے الحاد، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو بھی ہوا دی اور نتیجتاً اسلام اور تجدید کی طویل اور دوررس نتائج کی حامل کشمکش کا آغاز ہوا۔ تجدد پرستوں کا محاذ مضبوط تھا کیونکہ ان کی پشت پر اُس دور کی حکومت اور پریس تھا۔ اس کے مقابلے میں اسلامی روایات کے علمبردار نہ صرف کمزور تھے بلکہ جو تھے وہ بھی خود اعتمادی سے محروم تھے۔ مزید برآں سیاسی پارٹیوں کی باہمی آویزش نے بھی ملک کی فضا کو مکدر کر دیا تھا۔ اُسی زمانے میں رسوائے زمانہ کتاب ''الاسلام واصول الحکم'' شائع ہوئی جس کا موضوع یہ تھا کہ دین کا ریاستی امور اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ طٰہٰ یاسین کی کتاب ''فی الشعر الجاھلی'' میں قرآن کے بارے میں شکوک وشبہات اٹھائے گئے۔ قاسم امین کی کتاب ''تحریر المرأۃ'' میں عورتوں کی مادر پدر آزادی کا تصور دیا گیا اور حالات اس درجہ بدتر ہو گئے کہ اکثر عرب ملکوں میں فرعونیت اور نمرودیت کا کلمہ پڑھا جانے لگا۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کھلم کھلا اسلام اور محمد رسول اللہ ﷺ پر زبان طعن دراز کی جانے لگی۔ دمشق یونیورسٹی میں معاذ اللہ خدا کا جنازہ نکالا گیا۔ کھلے عام مسلمان عبادت اور شعائر اسلامی پر عمل کرتے ہوئے شرمانے لگے۔ یہاں تک حالات پہنچنے کے بعد غیرت حق کو جنبش ہوئی اور قدرت خداوندی نے محمودیہ میں پیدا ہونے والے نوجوان حسن البنا سے وہ کام کروا دیا جو وقت کے بڑے بڑے علماء ومشائخ سے بھی نہ ہو سکا۔

> جیل میں قیدیوں کو ننگا کرنا، انہیں زنجیروں سے باندھ کر ان پر کتے چھوڑنا، جلتی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے بہنوں کو برہنہ کر دینا، مسلسل بھوکے رکھنا، بجلی کے جھٹکے دینا، نیند سے محروم رکھنا۔ غرض ہر ظلم وستم کے طریقے کو اخوان المسلمون کے کارکنوں پر آزمایا گیا

نوجوان حسن البنا نے 1927 میں گریجویشن کی اور مدرس بن گئے۔ 1946 میں وزارت تعلیم سے مستعفی ہو کر یکسوئی کے ساتھ دعوت کی توسیع وتنظیم میں لگ گئے۔ حسن البنا کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی ذات میں معلم سے زیادہ داعیٔ تھے۔ چنانچہ وہ تنہا اٹھے اور اپنی داعیانہ صلاحیت کے ذریعے اسلام کے خزاں رسیدہ گلستان کو انتہائی کم مدت میں گلستان میں تبدیل کر دیا۔ حسن البنا جب قاہرہ گئے تو قاہرہ بے راہ روی، فساد اخلاق اور مغربیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس ماحول میں حسن البنا نے سوچا کہ جو لوگ مساجد سے دور ہیں دراصل وہ وعظ وارشاد کے زیادہ محتاج ہیں۔ اس غرض کے لئے آپ نے طلبہ پر مشتمل ایک گروہ تیار کیا۔ اس گروہ نے اپنی دعوت کا مرکز قہوہ خانوں کو بنایا۔ جہاں روزانہ شام کے اوقات میں سینکڑوں لوگ جمع ہوتے تھے۔ یہ گروہ حسن البنا کی قیادت میں قہوہ خانوں میں قرآن اور حدیث کا درس دیتا۔ اس دعوت کے نتیجے میں بہت بڑی تعداد میں بے راہ روی کے شکار لوگ دین کی جانب راغب ہونے لگے۔ یہ دعوتی تجربہ شہروں کے علاوہ قصبوں اور دیہاتوں میں بھی کیا گیا اور کامیاب رہا۔

مارچ 1928ء کو اسماعیلیہ کے معزز اور باشعور لوگوں کی ایک چھ رکنی جماعت حسن البنا کے گھر پر جمع ہوئی۔ ان دنوں حسن البنا اسماعیلیہ کے مدرسہ امیریہ میں مدرس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ جماعت کے افراد نے محسوس کیا کہ داعیانہ صفات سے مالا مال حسن البنا ہی ان کی قیادت اور رہنمائی کے اہل ہیں، لہٰذا اس ملاقات میں ایک جماعت کی تشکیل کا فیصلہ ہوا جس کا نام ''اخوان المسلمون'' رکھا گیا جس کے معنی ''مسلمان بھائی'' ہیں۔ ابتدا میں یہ جماعت خاموشی کے ساتھ دعوت کا فریضہ سرانجام دیتی رہی۔ حسن البنا اور ان کے رفقاء نواحی آبادیاں میں دعوت کے لئے نکلتے۔ ہفتہ وار تعطیل میں ان کا ہدف ملحقہ آبادیوں ہوتیں اور سالانہ تعطیلات میں دور دراز مقامات ان کی دعوت کا مرکز ہوتے۔ حسن البنا اور ان کے رفقاء کی دعوت کا موضوع توحید اور

آخرت ہوتے۔ اختلافی مسائل سے وہ مکمل پرہیز کرتے۔

حسن البنا کے اسماعیلیہ سے قاہرہ منتقل ہونے کے بعد ''الاخوان المسلمون'' کی دعوت نئے مرحلے میں داخل ہو گئی اور یہ ایک عظیم تنظیم کی حیثیت میں ابھری۔

تحریک ''الاخوان المسلمون'' کی جدوجہد تین ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور 1933 سے لے کر 1939 تک پھیلا ہوا ہے۔ اس مرحلہ میں تحریک ہمہ گیر نظریے کے قالب میں ابھری۔ دوسرا دور 1939 سے لے کر 1945 تک رہا۔ اس مرحلہ پر تحریک نے برملا سیاسی میدان میں قدم رکھا، اور اب وہ ایک مضبوط قوت کی حیثیت سے حکومت وقت کی نگاہوں میں کھٹکنے لگی، اور آزمائشوں کے بادل سر پر گرجنے لگے۔

تیسرا دور 1945 سے جولائی 1954ء تک 9 سالوں پر محیط ہے۔ اس مرحلے میں اخوان کی تحریک مصر کے گوشہ گوشہ میں پھیلی۔ اس مرحلے میں امام حسن البنا کی شہادت ہوئی۔ تحریک ''الاخوان المسلمون'' اپنے پہلے مرحلے میں ایک خالصتاً دعوتی تحریک تھی۔ اس عرصے میں تحریک خاموشی اور پردہ داری سے لوگوں کو اقامت دین کی جدوجہد کے لئے دعوت دیتی رہی۔ اس مقصد کے لئے مسجدوں، قہوہ خانوں اور عوامی مقامات پر وعظ وتذکیر ہوتی رہی۔ اس عرصے کے دوران تحریک کے بانی نے حکومتی وزراء کو بھی بذریعہ خطوط اجتماعی واقتصادی اور ثقافتی پہلوؤں سے ملک کے حالات کو سدھارنے کے لئے تجاویز بھی دیں اور ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا بھی مطالبہ کیا۔ اس عرصے میں اخوان کی قیادت نے مسلمان ملکوں کے سربراہوں کو دعوتی خطوط بھی تحریر کئے۔ غیر اسلامی حکومتوں کے بارے میں اخوان کا اصول تھا کہ ''جو حکومت سراسر غیر اسلامی اصولوں پر قائم ہے اس سے کبھی بھلائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ کسی تائید اور حمایت کی مستحق نہیں ہے'' مگر چونکہ حکمران مسلمان تھے اور اسلام کا انہوں نے کھلم کھلا انکار نہیں کیا تھا، اس لیے اخوان نے ہر حکومت سے اصلاحات کا مطالبہ کیا اور ملک کے اندر مکمل اسلامی نظام رائج کرنے کی اپیل ان سے کرتے رہے۔ پہلے مرحلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ تحریک اخوان نے کسی موقع پر تشدد اور قوت کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس موقع پر تحریک کی دعوت نے لوگوں کو اپنی جانب مبذول کروایا۔ اسی دور کے بارے میں مصر کے نامور ادیب احمد حسن زیارت نے لکھا ہے:

''صرف الاخوان المسلمون ہی بگڑی ہوئی سوسائٹی کے اندر خالص اسلامی عقیدے اور سچے اسلامی ذہن کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ دین کو ایک الگ تھلگ صومعہ نہیں سمجھتے اور نہ دنیا کو ایک آزاد اور مستقل بازار تصور کرتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں مسجد بازار کا ایک مینارہ ہے اور بازار مسجد کا ایک حصہ ہے۔ وعظ وتذکیر کے لیے ان کے پاس زبان ہے۔ اقتصادی میدان میں ان کے عملی منصوبے نافذ ہیں۔ جہاد کے لئے یہ اسلحہ کی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ سیاست میں ان کا مستقل نظریہ ہے۔ ہر شہر کے اندر ان کے پیروکار ہیں۔ ہر عرب ملک کے اندر ان کا نفوذ ہے۔ مصر و سوڈان، عراق وشام، یمن و حجاز اور الجزائر اور مراکش میں آج جو قومی بیداری نظر آ رہی ہے یہ انہی کی دعوت کی شعاعیں ہیں اور وہ وقت قریب آ رہا ہے کہ یہ غیر معمولی اہمیت اختیار کر جائیں۔''

(الرسالہ شمارہ 7 جنوری 1952ء)

عوام الناس کو دعوت دینے کے لئے مسجدوں، قہوہ خانوں اور عوامی مقامات کو ہدف بنایا گیا

فلسطین کے مشہور محقق ڈاکٹر اسحاق موسیٰ الحسینی اخوان المسلمون کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سرکاری علماء محض زبانی جمع خرچ کر رہے تھے۔ صوفیا کا گروہ تنگ نظر روحانیت پرستوں پر مشتمل تھا۔ شبان المسلمین کی تنظیم محض اصلاحی انجمن تھی۔ مصر جس بحران میں مبتلا تھا، ہر گروہ اس کا جزوی علاج کر رہا تھا۔ آخر الاخوان المسلمون کی تحریک برپا ہوئی اور اس نے خلا کو پُر کر دیا۔''

بانی تحریک حسن البنا نے حکمرانوں کو جو دعوتی خطوط تحریر کئے تھے اس میں انہوں نے واضح کیا کہ تعلیم و تربیت کے سرچشمے درست کئے جائیں، قانون کی اصلاح کی جائے، منکرات کا سدباب کیا جائے اور اوقات فرصت کو مفید کاموں میں صرف کیا جائے۔ عوامی سطح پر اخوان نے وعظ وتذکیر کو اپنی دعوت کے ابلاغ کا ذریعہ بنایا اور اس دعوت کا ہدف پیدائشی مسلمانوں کو شعوری مسلمان بنانا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے پسے طبقات کے لوگ جُوق در جُوق اس دعوت کی جانب لپکے اور انہیں اس دعوت کی آغوش میں بڑی راحت اور سکون نصیب ہوا۔ اخوان کے داعی ناخواندہ آبادیوں کو نماز اور روزے کی تعلیم دیتے اور قرآن حکیم کی سورتیں یاد کراتے، اسلامی دعوت کی حقیقت اور اہمیت بیان کرتے اور بتاتے کہ اسلام محض پوجا پاٹ کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام زندگی کا مکمل ضابطہ ہے۔ مبلغین اپنے مخاطبین کو آداب واخلاق کا عادی بناتے، شریعت کے اوامر و نواہی انہیں سمجھاتے اور ان کی پاسداری کرواتے، مادہ پرستی کے سیلاب کو روکتے اور بتاتے کہ مشرق کی جدید بیداری میں اسلام ہی کو زندگی کے ہر معاملے میں رہنما ہونا چاہیے۔ اخوان کے وابستگان کی خوبی یہ تھی کہ وہ زندگی کے معاملات میں لوگوں کے ساتھ عملی تعاون کر کے ان کے سامنے مثالی زندگی کا نمونہ رکھتے۔

الاخوان المسلمون نے اپنے دوسرے مرحلے میں انتخابی سیاست میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے سے نتیجہ وہی نکلا کہ تحریک جو پورے نظام کی تبدیلی کا عزم لے کر اٹھی تھی، انتخابات میں شرکت کے بعد پہلے سے قائم باطل نظام کی پر پیچ گلیوں کی نذر ہوگئی۔ بالآخر نظام کہنہ کے پاسبانوں نے 8 دسمبر 1945ء کو مارشل لا آرڈیننس نمبر 63 کے ذریعہ الاخوان کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اور اس مرحلے پر الاخوان پر شدائد اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹنا شروع ہو گئے اور ان حالات کی پیشنگوئی مومنانہ بصیرت کے حامل حضرت حسن البنا نے آغاز تحریک ہی میں فرمادی تھی:

''میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری دعوت سے ابھی اکثر لوگ بے خبر ہیں۔ جب یہ دعوت اور اس کے اغراض ومقاصد ان پر کھلیں گے تو وہ تمہارے درپے آزار ہوں گے۔ وہ تم سے شدید عداوت پر اتر آئیں گے۔ اس وقت تمہارا بڑی تکلیفوں سے سامنا ہوگا۔ طرح طرح کی رکاوٹیں تمہارے راستے میں حائل ہوں گی۔ اس وقت تم صحیح معنوں میں دعوت کے علمبرداروں کی صف میں شمار ہوگے۔ عوام کی حقیقت اسلام سے جہالت تمہارے راستے کا روڑا بنے گی۔ درباری علماء ومشائخ تمہارے اسلام پر انگلی رکھیں گے، اور تمہارے جہاد پر نکیر کریں گے، تمہاری دعوت کے چراغ کو بجھائیں گے۔ تمام حکومتیں، بلا استثنا تمہارا سدباب کریں گی۔ تمہاری سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کی جائیں گی۔ لٹیرے ہر حربے سے تمہاری مخالفت کریں گے۔ تمہاری دعوت کے چراغ کو بجھائیں گے۔ کمزور حکومتیں اور بودے اخلاق تمہارے خلاف ان لٹیروں کی مدد کریں گے اور وہ ہاتھ ان کی پشت پناہی کریں گے، جو تمہاری طرف تو ظلم وزیادتی کے لئے

الاخوان المسلمون کی دعوت کا موضوع توحید اور آخرت ہوتے تھے اور داعیان تحریک اختلافی مسائل میں الجھنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے

بڑھتے ہیں مگر ان کے سامنے کاسہ گدائی لے کر اٹھتے ہیں۔ ایک اور جماعت تمہارے خلاف شکوک وشبہات اور افترا پردازیوں کا طوفان برپا کرے گی اور ہر عیب تمہارے اندر نکالے گی اور عوام کے سامنے تمہاری خدمات کو مسخ کر کے پیش کرے گی۔ اسے اپنی طاقت اور اقتدار کا گھمنڈ ہوگا۔ نفوذ و دولت کے بل پر دست درازی پر دست درازی کرے گی۔ یہ بلاشبہ تمہارے لیے آزمائش کی گھڑی ہوگی۔ تمہیں جیلوں میں ڈالا جائے گا، پابجولاں کئے جاؤ گے، گھر سے بے گھر کئے جاؤ گے، وطن کی فضاؤں سے محرومی ہوگی۔ تمہارے ادارے ضبط ہوں گے۔ تمہارے گھروں کی تلاشی ہوگی اور ہوسکتا ہے کہ امتحان کی یہ گھڑی غیر معمولی طور پر لمبی ہوجائے۔ "اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ" لیکن اللہ کا تم سے وعدہ ہے کہ وہ بالآخر مجاہدین کی مدد فرمائے گا اور نیکوکاروں کو اجر سے نوازے گا۔"

الاخوان المسلمون پر پابندی کے بعد 12 فروری 1949ء کی شام کو پیکر صدق و صفا، کوہ عزم ووفا، مشعل بردار دین مبین اور داعی ایمان و یقین مرشد سید حسن البنا کو سربازار شہید کر دیا گیا۔ مرشد کی شہادت کے بعد اخوان کا جگہ جگہ تعاقب کیا گیا۔ طویل عدالتی کارروائیوں کے ڈرامے کھیلے گئے اور وابستگان اخوان کو باغی قرار دے دیا گیا۔

اس کے بعد وابستگان اخوان المسلمون پر مصری حکمران جمال عبدالناصر نے اذیتوں اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑ دیئے۔ اولاً جماعت الاخوان کے چھ سرکردہ افراد کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ جن میں اخوان المسلمون کے مرشد اعلیٰ حسن الہضیبی، عبدالقادر عودہ، شیخ محمد خرغلی، یوسف طلعت، ابراہیم الطیب اور ہنداوی دوبر شامل تھے۔

ان افراد کے خلاف جو عدالتی کارروائیاں کی گئیں وہ تشدد، انتقام، حق کی پامالی اور عدل وانصاف کی توہین میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس صریح ظلم کے خلاف عرب اور دیگر مسلمان ملکوں میں صدائے احتجاج بلند ہوئی مگر مصری آمر جمال عبدالناصر نے کسی معاملے کو اہمیت نہ دی اور قائدین الاخوان کو تختہ دار پر لٹکانے میں غیر معمولی عجلت دکھائی۔ ان چھ افراد کی پھانسیوں کے علاوہ 50 ہزار مصریوں کو جیل میں ڈالا گیا۔ ان سے انتہائی سنگدلانہ برتاؤ کیا گیا۔ یہاں تک کہ قیدیوں کے اہل وعیال سے بھی انسانیت سوز سلوک کیا گیا۔

چھ سرکردہ افراد کو پھانسیاں دینے کے بعد مزید تین افراد کو پھانسیاں دی گئیں۔ ان میں نمایاں نام سید قطب شہید کا بھی تھا۔ ان پر الزام لگایا کہ سید قطب صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور طاقت کے بل پر ملک میں خونی انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ کچھ مدت کے بعد ایک نیا الزام شائع کیا گیا کہ اخوان کے کارکن صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے ساتھ وہ ملکہ ترنم ام کلثوم، مشہور موسیقار عبدالوہاب، نامور فلم ایکٹر عبدالعلیم حافظ اور فلمی دنیا کے تابندہ ستارے فائزہ اور شاریہ کو بھی قتل کرنا چاہتے تھے۔ ان ناموں کے اعلان کا مقصد یہ تھا کہ اگر عوام الناس صدر ناصر کے قتل کی سازش کے انکشاف پر نہ بھڑکیں تو کم از کم اپنے محبوب گویوں اور اداکاروں کے لئے تو ان کے دل میں جوش پیدا ہو گا۔ جیل میں قیدیوں کو ننگا کرنا، انہیں زنجیروں سے باندھ کر ان پر کتے چھوڑنا، جلتی ہوئی آگ میں انہیں پھینکنا، بھائیوں کے سامنے بہنوں کو برہنہ کر دینا، مسلسل بھوکے رکھنا، بجلی کے جھٹکے دینا، نیند سے محروم رکھنا۔ غرض ہر ظلم وستم کے طریقے کو اخوان المسلمون کے کارکنوں پر آزمایا گیا۔

اخوان کی جدوجہد اور قربانیوں میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ انہیں راہ حق میں ہر قسم کے لئے قربانی کے لئے ہمہ وقت آمادہ اور تیار رہنا چاہیے۔

✿✿✿✿✿

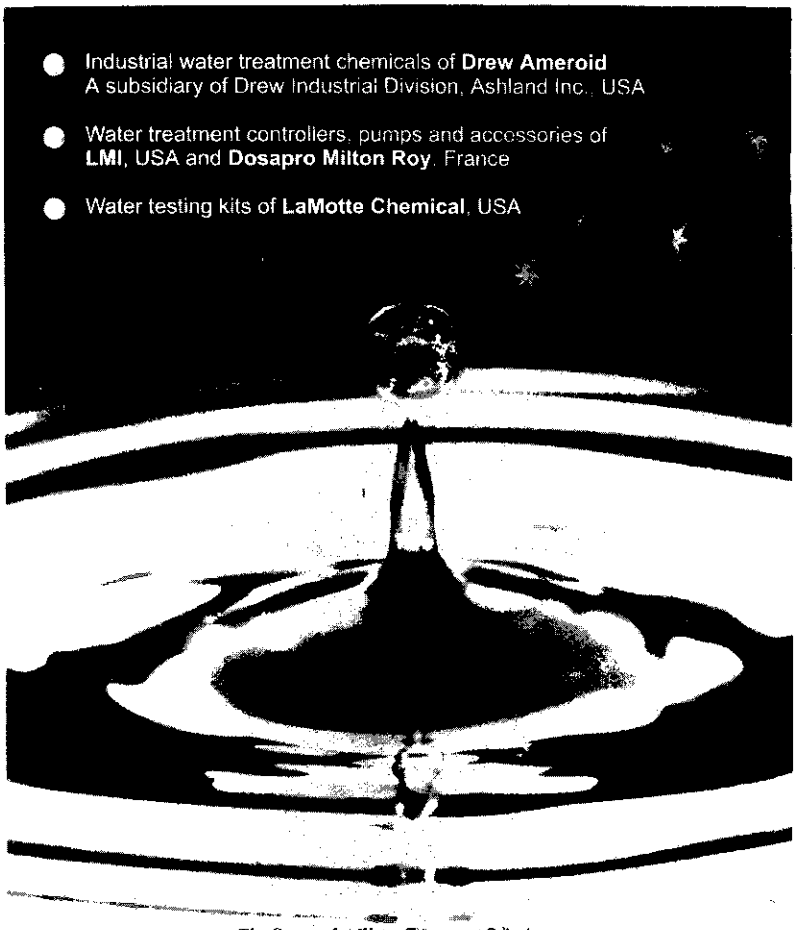

The Source for Water Treatment Solutions

Orient Water Services (Pvt) Ltd.

11-Amber Court, Shaheed-e-Millat Road, Karachi-75350
Tel: (021) 453-9535, 453-3527 Fax: (021) 454-9524
Email: ows@orient.cm.pk

Branches:
Lahore Tel: (042) 668-0324
Faisalabad Tel: (041) 610858
Rawalpindi Tel: (051) 556-8279
Multan Tel: (061) 781316

ہم اور ہمارا کام

ڈاکٹر اسرار احمد

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے، تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگرچہ ہماری کوئی حیثیت نہیں، ''من آنم کہ من دانم'' ہماری عددی قوت بھی معتد بہ نہیں اور تا حال ہماری کوئی سیاسی حیثیت بھی نہیں ہے، لیکن ان حالات میں بھی ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اسی راستے کی طرف دعوت دیتے رہیں گے جسے ہم نے حق سمجھا ہے۔ سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر 15 میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ﴾

''پس اب تم اسی کی دعوت دیتے رہو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاؤ۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو، اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔''

اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے، جس کا دوسرا نام خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے، ہمیں اسی کی دعوت دیتے چلے جانا ہے، چاہے اس کے اثرات ظاہر ہوں یا نہ ہوں، کوئی response ہمیں ملے یا نہ ملے۔ اس لئے کہ اس ضمن میں اصل چیز ہمارا احساسِ فرض ہے۔ ٹھیک ہے، حضور ﷺ کی دی ہوئی وہ پیشین گوئیاں بھی ہماری ہمت بندھانے اور حوصلہ و امنگ کو برقرار رکھنے کا باعث ہیں جن کی رو سے قیامت سے قبل پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین غالب ہو کر رہے گا۔ یہ چیز اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ہمارا جو جذبہ محرک ہے وہ درحقیقت صرف ہمارا وہ احساس فرض اور فرائض دینی کا وہ جامع تصور ہے جسے ہم نے قرآن و سنت اور سیرت سے سمجھا اور واضح کیا ہے اور مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے ذریعے اسے پوری دنیا میں عام کیا ہے۔ ہم تو اسی احساسِ فرض کے تحت یہ کام کرتے ہیں۔ بہت سے نبی دنیا میں دعوت دیتے دیتے اس حال میں چلے گئے کہ انہیں کوئی response نہیں ملا، صرف چند ساتھی میسر آئے، لیکن چونکہ انہیں فیصلہ کن طاقت حاصل نہ ہو سکی اور قوم کی غالب اکثریت نے ان کی دعوت کو رد کر دیا لہٰذا دنیوی اعتبار سے وہ ناکام چلے گئے، لیکن حقیقت میں یہ ناکامی انبیاء اور رسولوں کی نہیں ہے، بلکہ قوم کی محرومی ہے، وہ خود تو اللہ کے ہاں سرخرو اور کامیاب ہیں۔ جہاں تک جو دیگر دینی جماعتوں کا تعلق ہے ان کے لئے ہمارا موقف اور طرزِ عمل سورۃ الشوریٰ کی 15 آیت کے الفاظ کے مطابق رہے گا:

﴿اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

''اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہمارے درمیان کسی حجت بازی (یعنی دلیل بازی، بحث و نزاع، مناظرے اور مجادلے) کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمیں جمع کر دے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

اگر دینی جماعتیں اس بلند مقصد کے لئے جمع نہیں ہوں گی تب بھی ہماری محنتیں ضرور کہیں جمع ہو جائیں گی، نتیجہ خیز ہو جائیں گی، اور نہیں تو ایک دن اللہ کی عدالت میں جا کر تو جمع ہونا ہی ہے۔ سب نے وہاں جا کر کھڑے ہونا ہے۔ وہاں پتا چل جائے گا کہ کون کتنے پانی میں تھا؟ کون صحیح تھا اور کون غلط تھا!

سورۃ الشوریٰ کی متذکرہ بالا آیت (نمبر 15) کی رو سے ہمارا ماٹو ہے کہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے دعوت دیتے رہو، تمہیں اسی کا حکم ہوا ہے، اس پر جمے رہو، ڈٹے رہو، کسی کی خواہشات کی پیروی مت کرو، ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ ہمارا ایمان اس کتاب پر ہے جو اللہ نے نبی آخر الزماں پر نازل کی ہے اور ہم تو اللہ کے نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن لگاتے رہیں گے کہ جس کا نام ''نظام خلافت علی منہاج النبوۃ'' ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اچانک بھی راستے کھول دیتا ہے۔ حالات بظاہر ناموافق نظر آتے ہیں، ہر گلی بند معلوم ہوتی ہے لیکن اچانک اللہ کوئی ایسا راستہ کھول دیتا ہے کہ یک دم حالات موافق و سازگار ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے، حضور ﷺ کا معاملہ انبیاء و رسل کی پوری تاریخ میں منفرد ہے کہ تقریباً بیس برس میں جزیرہ نمائے عرب میں انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ ویسے حضور کی انقلابی جدوجہد کے 23 برس شمار ہوتے ہیں، لیکن جب مکہ فتح ہو گیا، حنین کی بھی فتح ہو گئی اور طائف نے بھی surrender کر دیا تو اب غلبہ تو حاصل ہو گیا۔ یہ بیس برس بنتے ہیں۔ ان میں سے بھی ابتدائی دس برس وہ ہیں جن میں بمشکل سوا سو یا ڈیڑھ سو آدمی ایمان لائے۔ آپ ذرا سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کیجئے۔ 10 نبوی یعنی ہجرت کے اڑھائی تین سال پہلے کے حالات دیکھئے، کہیں سے امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، مایوسی ہی مایوسی ہے۔ مکے سے مایوس ہو کر آپ طائف گئے اور طائف میں جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہے۔ حضور ﷺ پر ذاتی طور پر مکہ میں دس برس کے دوران وہ تشدد نہیں ہوا جو طائف میں ایک دن میں ہو گیا۔ واپس آئے تو ایک مشرک کی امان لے کر مکے میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد اللہ نے ایک کھڑکی کھول دی۔ مدینہ منورہ میں ابھی آپ کا ورود بھی نہیں ہوا، قدم مبارک بھی نہیں پہنچے کہ وہاں اسلام کی دعوت پھیل گئی۔ جس سال طائف میں انتہائی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور زبان مبارک سے یہ فریاد نکلی: ((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ)) ''اے اللہ! میں اپنی قوت کی کمی، وسائل کی قلت اور لوگوں کے سامنے اپنی کمزوری کی تجھی سے فریاد کرتا ہوں۔'' اسی سال مدینہ سے آنے والے چھ آدمی ایمان لے آئے۔ اگلے سال بارہ آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی اور انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی آدمی دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائے۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نابینا صحابی بھیج دیئے گئے۔ اس ایک سال میں 72 مرد اور تین خواتین آ گئیں اور بیعت عقبہ ثانیہ ہو گئی اور ہجرتِ مدینہ کا راستہ کھل گیا، جو حضور ﷺ کے سان گمان میں بھی نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے متبادل مرکز (Alternate Base) طائف سوچا تھا، مدینہ نہیں، لیکن یہ اللہ کی طرف سے ہو گیا۔ بالکل معجزانہ طریقے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدینے کی کھڑکی کھول دی گئی اور راستہ کھل گیا۔ یہ معاملہ اب بھی ہو سکتا ہے، بقول شاعر ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

اور

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی!

یہ ناممکنات میں سے نہیں، اللہ کی مدد ختم نہیں ہوئی۔

(بحوالہ: ''پاکستان ایک فیصلہ کن دوراہے پر'' از ڈاکٹر اسرار احمد)

داعئ حق کی ذمہ داری

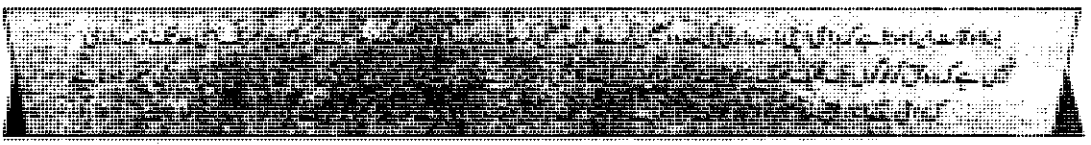

مولانا امین احسن اصلاحی

داعئ حق ہو یا داعئ ضلالت، دونوں میں سے کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے دعوت اور ترغیب سے زیادہ کسی چیز کا اختیار نہیں بخشا ہے۔ نہ پیغمبروں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی شخص کے دل میں ہدایت ڈال دیں اور نہ شیطان ہی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی شخص کو گمراہی کی راہ پر لگا دے۔ ان میں سے ہر ایک کو بس یہ اختیار حاصل ہے کہ یہ اپنی اپنی راہ کی طرف خلقِ خدا کو بلا سکتے ہیں۔ ہدایت یا ضلالت کو اختیار کرنا، اختیار کرنے والے کی اپنی پسند اور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیقِ تیسیر پر منحصر ہے۔ اس توفیق اور تیسیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ضابطہ بنا دیا ہے جس کے مطابق وہ اپنے سلیم الفطرت اور ہدایت پسند بندوں کو نیکیوں کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرماتا ہے اور کج روی اور گمراہی کو پسند کرنے والوں کے لیے شیطان کے راستوں پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔ یہی حقیقت نبی اکرم ﷺ پر ان آیات میں واضح کی گئی ہے:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ﴾ (القصص:28)

''تم جن کو چاہو، ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ﴾ (یوسف:103)

''اور ان لوگوں میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں خواہ تم ان کے ایمان کی کتنی ہی حرص کرو۔''

﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝﴾ (النحل:37)

''اگر تم ان کی ہدایت کے حریص ہو تو اللہ ایسوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا جن کو گمراہ کر دیتا ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں بنتا۔''

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ (ابراہیم:1)

''یہ کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اس لیے اتاری ہے کہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ، ان کے رب کے اذن سے۔''

اس طرح ابلیس کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝﴾ (الحجر:42)

''میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔ بجز ان کے جو گمراہوں میں سے تیرے پیرو بن جائیں۔''

ایک رحیم و کریم خدا کے متعلق داعئ حق یہ گمان نہیں کر سکتا کہ جس راستہ کی طرف وہ رہبری کرے کہ یہ صراط مستقیم ہے اس راستہ پر چلنا اتنا پیچیدہ اور ناممکن العمل ہو کہ لوگ اس کو اختیار ہی نہ کر سکیں

خود ابلیس کی زبان سے اس کا یہ اعتراف نقل کیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (ابراہیم:22)

''اور مجھے تم پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ بس میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری بات مان لی۔ تو مجھے ملامت نہ کرنا، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔''

اس امرِ واقعی کی وجہ سے جہاں تک ایک داعئ حق کا تعلق ہے وہ اس مسئلہ پر بالکل غور نہیں کرتا اور نہ اسے غور کرنا چاہیے کہ لوگ اس کی دعوت پر کان دھریں گے یا نہیں اور نہ اس فکر میں وہ سر کھپاتا اور نہ اس کو سر کھپانا چاہیے کہ زمانہ اس کی دعوت کے لیے سازگار ہے یا ناسازگار۔ وہ لوگوں کے رد و قبول، اپنی کوششوں کی کامیابی اور ناکامی اور دعوتِ حق کے انجام کے متعلق ایک بار یہ فیصلہ کر کے کہ اس امر کا تعلق اس کی ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، بالکل مطمئن ہو جاتا ہے۔ وہ صرف اس بات پر غور کرتا ہے کہ خود اس کا اپنا فرض کیا ہے اور جب یہ طے کر لیتا ہے کہ وہ اس مقصد کی دعوت دے جس کو حق یقین کر رہا ہے اور جو اس کے خیال میں تمام دنیا کے لیے یکساں مفید ہے، تو یہ طے کر چکنے کے بعد وہ اس تردّد میں نہیں پڑتا کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کرنے کے بارہ میں اپنا فرض پورا کریں گے یا نہیں اور اللہ تعالیٰ اس دعوت کو دنیا میں برپا کرے گا یا نہیں۔

جہاں تک لوگوں کے ردّ و قبول کا تعلق ہے وہ اس کی دعوت کو قبول کریں یا نہ کریں، دونوں صورتوں میں اس کی اپنی ذمہ داری بدستور قائم رہتی ہے۔ اگر وہ قبول کریں گے تو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کی راہیں کھلیں گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ادائے فرض و دعوت کا اجر و ثواب حاصل کرے گا، اور اگر نہ قبول کریں گے تو اس کے ذریعہ سے لوگوں پر خدا کی حجت پوری ہو گی اور داعی اللہ کے ہاں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش قرار دیا جائے گا کہ اس کا جو فرض تھا اس نے پورا کر دیا۔ قرآن میں داعیانِ حق کی ایک جماعت کا جواب نقل ہوا ہے جن کو ان لوگوں کے سامنے بے فائدہ اپنی دعوت پیش کرنے سے روکا گیا تھا جو دعوت کو قبول کرنے والے نہیں تھے۔ اس جواب سے داعئ حق کے فرض کی نوعیت واضح ہوتی ہے کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کریں یا نہ کریں، دونوں صورتوں میں اس کا فرض صرف حق کی دعوت دیتے رہنا ہے۔ اگر لوگ قبول کریں گے تو ہدایت پائیں گے اور اگر نہ قبول کریں گے تو یہ اللہ کے ہاں بری الذمہ قرار پائے گا:

﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اِۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:164)

''اور یاد کرو جب کہ ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جا رہے ہو، جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے، یا انہیں ایک سخت عذاب دینے والا ہے۔ وہ بولے کہ یہ اس لیے یہ تمہارے رب کے سامنے ہماری طرف سے عذر بن سکے اور تا کہ یہ خدا کے غضب سے بچیں۔''

باقی رہا اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کا معاملہ تو مجرد یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اس حق کو واضح کیا ہے، اس کے دل کے اندر یہ اطمینان پیدا کرتی ہے کہ اس حق کی دعوت دینا، لوگوں کے لیے اس کا قبول کرنا اور دنیا میں اس کا فروغ پانا ممکن ہے۔ اور اگر وہ اس کی طرف لوگوں کو بلانے اور دنیا میں اس کا برپا کرنے کا عزم لے کر اٹھے گا تو اللہ ضرور اس کام میں اس کی امداد فرمائے گا۔ ایک رحیم و کریم خدا کے متعلق داعی حق یہ گمان نہیں کر سکتا کہ جس راستہ کی طرف وہ رہبری کرے کہ یہ صراطِ مستقیم ہے اس راستہ پر چلنا ناممکن ہو اور جس نظامِ زندگی کی بابت وہ فرمائے کہ یہ فطری نظامِ زندگی ہے وہ اتنا پیچیدہ اور ناممکن العمل ہو کہ لوگ اس کو اختیار ہی نہ کر سکیں۔ نیز ایک عادل اور مہربان پروردگار کے متعلق وہ یہ بدگمانی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ اس پر ایک فرض عائد کر کے یہ حکم دے کہ تیرے کرنے کا کام یہ ہے اور اسی کے کرنے میں تیری نجات اور میری خوشنودی ہے، لیکن جب وہ اس کو کرنا شروع کرے اور اس کے سامنے مشکلیں آئیں تو وہ اس کو تنہا بے یار و مددگار چھوڑ دے اور اس کی کوئی مدد نہ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ حسنِ ظن اور یہ اعتماد ہر داعیٔ حق کے اندر موجود ہوتا ہے اور مخالفین جب اس کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کرتے ہیں اور بظاہر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ کام اب آگے نہیں بڑھنے کا ہے تو یہی اعتماد اس کی ڈھارس بندھاتا ہے کہ جس راستہ کی طرف خود خدا نے انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا ہے کہ راہِ حق یہ ہے کہ تو اس پر چلنے والا منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ کر رہے گا اور اس راہ میں خواہ کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیش آئیں، لیکن بالآخر اللہ کی مدد ضرور آ کے رہے گی۔ داعیانِ حق کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہی تعلق اور اعتماد ہے جو سورۂ ابراہیم کی اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے:

﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝﴾ (ابراہیم:12)

''اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جب کہ اس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی اور تم ہمیں جو ایذا بھی پہنچاؤ گے ہم اس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔''

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ داعی اپنی ذمہ داری کی حدود معین کرنے میں غلطی کر جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگ جاتا ہے کہ اس پر صرف اسی حد تک ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ حق کو لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دے، بلکہ وہ اس بات کا بھی ذمہ دار ہے کہ لوگ اس حق کو قبول بھی کر لیں۔ اس غلطی کا لازمی نتیجہ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ داعی کے اندر حقِ خالص کو پیش کرنے کی بجائے مخالفین کے باطل عقائد و افکار کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے، اور دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بالکل غلط ذمہ داری اپنے سر اٹھا لینے کی وجہ سے اپنی زندگی الجھنوں میں ڈال دیتا ہے۔ اس طرح کی غلطیوں سے بچانے کے لیے قرآن مجید نے مفصل ہدایات دی ہیں، مثلاً:

﴿وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۝﴾ (الانعام:69)

''جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ بس یاد دہانی کر دینا ہے تا کہ وہ بھی ڈریں۔''

﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝﴾ (الانعام:106,107)

''تم بس اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر وحی کی جا رہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور مشرکوں سے اعراض کرو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرپاتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں زبردستی نہیں کی ہے) اور ہم نے تم کو ان پر نگران نہیں مقرر کیا ہے (کہ یہ کوئی غلطی نہ کرنے پائیں) اور نہ تم ان کے ضامن ہو (کہ ان کے ایمان کے معاملہ کی ذمہ داری تم پر ہو۔)''

﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝﴾ (الرعد:40)

''پس تمہارے اوپر صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ حساب کی ذمہ داری ہم پر ہے۔''

﴿طٰهٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝﴾ (طٰہٰ:3,1)

''طٰہٰ۔ ہم نے تم پر قرآن اس لیے نہیں اتارا ہے کہ تم مصیبت میں پھنس جاؤ۔ یہ تو بس ان لوگوں کے لیے یاد دہانی ہے جو اللہ سے ڈریں۔''

اس زمانہ میں جو لوگ طاغوت کے عالمگیر تسلط کی وجہ سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اور دعوتِ حق کا کوئی امکان نہیں پا رہے ہیں یا دعوتِ حق کے پھیلنے کا امکان نہ پا کر دعوتِ باطل ہی میں لگ گئے ہیں، یہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ ان لوگوں کے سامنے اگر یہ حقیقت واضح ہوتی کہ ان کی ذمہ داری صرف ابلاغ ہے، لوگوں کا ان کی پیش کی ہوئی دعوت کو قبول کرنا یا نہ کرنا اور اس دعوت کا فروغ پانا نہ پانا ان سے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے تو نہ وہ امکان اور عدمِ امکان کی الجھنوں میں پڑتے اور نہ وہ ایک باطل کو برپا کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لیتے، بلکہ اپنے بس بھر حق کی دعوت دیتے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے کہ جب وہ خود حق ہے اور حق کو دوست رکھتا ہے تو اس حق کو ضرور برپا کرے گا جس کی وہ دعوت دے رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنے بوجھ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری بھی اپنے کاندھوں پر اٹھا لینی چاہی اور جب انہیں اندازہ ہوا کہ یہ بوجھ بھاری ہے، ان سے نہیں اٹھ سکے گا تو مجبوراً ان کو یہ اعلان بھی کرنا پڑا کہ ہر چند خیر و برکت والا نظام تو وہی ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے، لیکن اس زمانے میں اس کا وسیع پیمانہ پر قیام چونکہ ناممکن ہے، اس وجہ سے اس کے سوا چارہ نہیں کہ ایک غیر اسلامی نظام ہی کی دعوت دی جائے اور اس کو قبول کر لیا جائے۔

اس خیال کے اندر جو گمراہیاں چھپی ہوئی ہیں، ان سب کو نہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کے ظاہر

ہدایت یا ضلالت کو اختیار کرنا، اختیار کرنے والے کی اپنی پسند اور اللہ تعالیٰ کی خاص توفیقِ تیسیر پر منحصر ہے

کرنے کی یہاں گنجائش ہے۔ البتہ ایک بات کی طرف ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ان حضرات نے دیدہ و دانستہ حق کی راہ چھوڑ کر باطل کی راہ محض اس خیال سے اختیار کی کہ اس راہ پر چل کر وہ بزعم خود آسانی سے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، حالانکہ اس راہ میں بھی کامیابی ـــ جس کو وہ کامیابی سمجھتے ہیں ـــ اگر حاصل ہوگی تو اللہ کے حکم ہی سے حاصل ہوگی، نہ کہ خود ان کی سعی و تدبیر سے۔ تو بجائے اس کے کہ وہ ایک باطل راہ پر چل کر اس بات کا انتظار کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس راہ میں ان کی رسی دراز کرے، کیا یہ بہتر نہ تھا کہ وہ خود بھی راہِ حق پر چلتے، اور اسی پر چلنے کی دوسروں کو بھی دعوت دیتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور کامیابی کے منتظر رہتے۔

یہ خطرناک غلطی جس نے ان کی ساری جدوجہد کو ایک بالکل غلط راہ پر لگا دیا، صرف اس بات کا نتیجہ ہے کہ بحیثیت داعی انہوں نے اپنی ذمہ داری کے حدود کو ٹھیک ٹھیک معین نہیں کیا۔ انہوں نے اپنا فرض صرف اسی قدر نہیں سمجھا کہ جس حق کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی ہے اس حق کو بلاکم و کاست لوگوں تک پہنچا دیں، بلکہ اپنا فرض یہ بھی سمجھا کہ لوگوں کو اس کا معتقد بھی بنا دیں اور جب یہ کام انہیں بہت مشکل نظر آیا تو انہوں نے حق کو چھوڑ کر باطل ہی کو اختیار کر لیا کہ لوگ آسانی سے اس کے معتقد بن سکیں گے۔ یہ غلطی لازمی طور پر ایک داعی کو رحمان کے راستہ سے ہٹا کر شیطان کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور وہ صرف داعی ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ مدعی بن کر خدا کے حقوق میں دراندازی کرنے والا ایک نیا دین پیش کرنے والا بن جاتا ہے۔

ایک داعی اگر اپنی حیثیت کو اچھی طرح پہچانتا ہے تو اس سے اس بات کا اندیشہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ مایوس اور بدل ہو کر بیٹھ رہے یا حق کی جگہ باطل ہی کی دعوت شروع کر دے، البتہ اس کو اس پہلو سے اپنی نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں اس خیال کی وجہ سے کہ اس کے اوپر صرف ابلاغ ہی کی ذمہ داری ہے، اس کے اندر بے پروائی اور سہل انگاری نہ پیدا ہو جائے۔ اپنے آپ کو اس چیز سے بچانے کے لیے اس کو ہمیشہ ان ذمہ داریوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے جو داعی پر بحیثیت داعی عائد ہوتی ہیں اور جن کا لحاظ نہ رکھنے کی صورت میں ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس سے مواخذہ ہو جائے کہ اس نے تبلیغ یا ادائے شہادت کا فرض اس طرح ادا نہیں کیا جس طرح اس کو ادا کرنے کا حق تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کا جہاں تک تعلق ہے ان کو فرضِ رسالت کی ذمہ داریوں کا اس درجہ شدید احساس ہوتا تھا کہ بسا اوقات نہ اپنے ضروری آرام کا خیال کرتے نہ اپنی اور اپنی دعوت کی عزت و شان کا بلکہ ان کے غیر معمولی انہماک سے ایسا ظاہر ہوتا کہ گویا وہ اپنے آپ کو لوگوں کے کفر و ایمان کا ذمہ دار سمجھ رہے ہیں۔ اس انہماک پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو محبت آمیز انداز میں ٹوکا ہے جس کی بعض مثالیں ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ یہی انہماک، افراط و تفریط سے بچ کر، ہر داعیٔ حق کی خصوصیت ہونا چاہیے۔

ذرا سی توجہ کیجیے

جب ہم لوگوں کے دلوں میں اچھائیاں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ ان میں ان گنت اچھائیاں موجود ہیں جنہیں آنکھیں پہلی نظر میں دیکھ نہ سکی تھیں۔ میں نے اس بات کو آزما کے دیکھا ہے اور کئی لوگوں پر اس کا ذاتی تجربہ بھی کیا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ اُن لوگوں پر بھی اس کا تجربہ کیا ہے جو بظاہر مجسم شر اور شعور سے عاری نظر آتے تھے (وہ بھی خیر سے یک سر خالی نہ تھے)۔ ان کی غلطیاں اور نادانیاں بجا، مگر تم ان سے سچی محبت اور چاہت کا ایک بار اظہار تو کرو، ان کے دکھ درد میں پُرخلوص شرکت تو کر کے دیکھو، ان کے دلوں سے تمہارے لیے بھلائی کا چشمہ ابل پڑے گا۔ تمہاری ذرا سی توجہ کے بدلے، وہ اپنی ساری محبتیں، الفتیں اور اعتماد تم پر نچھاور کر دیں گے۔ بس ان سے (ایک بار) سچائی، کھلے دل اور خلوص سے ملنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

برائی کی جڑیں نفوس انسانی میں اتنی گہری نہیں ہوتیں، جتنی کبھی کبھی ہم فرض کر لیتے ہیں۔ زندگی کی کشاکش سمیٹنے کے لیے لوگوں نے (مجبوراً) اپنے اوپر ایک سخت خول چڑھا رکھا ہوتا ہے۔ جب انہیں امن و آشتی کا یقین ہو جاتا ہے تو اس سخت چھلکے کے نیچے پھل کا شیریں اور لذیذ گودا ہمیں نصیب ہوتا ہے۔ شیریں پھل انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کے دامن میں آ کر لوگ سکھ کا سانس لیتے ہیں، ان کی محبت پر بھروسا کرتے ہیں، اپنے دکھ درد میں ان کی سچی غم گساری اور ہمدردی کا انہیں یقین ہوتا ہے۔۔۔ اس طرح اگر لوگوں کی غلطیوں بلکہ حماقتوں سے درگزر کیا جائے اور کشادہ دلی سے کام لیا جائے تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔

میں نے یہ تجربہ کیا ہے، اسے خود آزما کر دیکھ چکا ہوں۔ میں محض خواب و خیال کی فرضی باتیں نہیں بتا رہا ہوں۔

جب ہمارے دلوں میں لوگوں کے لیے پیار و محبت، شفقت و خیر خواہی کے پھول کھل اٹھتے ہیں تو ہم خود کو بڑی محنت و مشقت سے بچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں لوگوں کی خوشامد کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی کیوں کہ ہم ان کی تعریف بھی اگر کرتے ہیں تو چاپلوسی سے نہیں بلکہ سچائی اور خلوص دل سے کرتے ہیں۔

ان کی سچی تعریف و توصیف کرنے کے لیے ہمیں ان کی ذات میں بے شمار خوبیوں کے خزانے نظر آتے ہیں۔ انسان میں کوئی نہ کوئی اچھائی ضرور ہوتی ہے۔ کسی ایسی خوبی سے وہ ضرور متصف ہوتا ہے جس پر اس کے لیے کلمہ خیر کہا جا سکے، لیکن ہم اسے دیکھتے نہیں۔ ہم اسے اس وقت تک نہیں دیکھ سکتے، جب تک ہم اپنے اندر ان انسانوں کی سچی خیر خواہی اور سچی محبت کی آبیاری نہ کر لیں۔

اقتباس از ''روح کی خوشیاں'' سید قطب شہید

دعوتِ دین اور داعی کا ذاتی کردار

فرید اللہ خان مروت

کسی بزرگ کا قول ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام مخلوق کو پہنچانے کا فرض اپنے ذمے لے اسے سنت کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔''

یہ چھوٹا سا قول ہے مگر اپنے اندر معنی کا سمندر رکھتا ہے۔ جس کسی کے دل میں خوش قسمتی سے یہ احساس فرض پیدا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کے دین سے متعارف کراؤں، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے سامنے وہ اللہ تعالیٰ کے جس دین کو پیش کر رہا ہے اس نے خود اس کی اپنی زندگی پر کتنا اثر ڈالا ہے کیونکہ اگر وہ یہ دیکھیں گے کہ اس کی اپنی زندگی اس کی برکات سے خالی ہے تو وہ اس کی زبان سے پہنچائے ہوئے پیغام پر زیادہ بھروسہ نہیں کریں گے۔

ذیل میں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو بے حد عبرت انگیز ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے جب لاہور میں بکثرت ہندو آباد تھے، ایک مخلوط محلے میں صبح صبح ایک ہندو عورت اپنے دیر تک سوئے رہنے والے بیٹے پر ناراض ہو رہی تھی ''ارے، تیرا ستیاناس! تو بھی مسلمانوں کی طرح دن کے دس بجے تک سویا رہتا ہے۔'' اب اگر اس عورت کو بتایا جاتا کہ مسلمانوں پر تو صبح کی نماز فرض ہے، جس کا وقت طلوع آفتاب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے تو اسے کس طرح یقین آتا کیونکہ اس نے اپنے اردگرد جو کچھ دیکھا تھا وہ تو یہی تھا کہ مسلمان دن چڑھے تک سوئے رہتے ہیں۔

مختلف مذاہب پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت ایک دوسرے کے مذاہب کی مقدس کتابیں کھول کھول کر نہیں پڑھتے بلکہ صرف ان مذاہب پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے کردار کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ کردار ناپسندیدہ ہوں تو پھر ان کے دلوں میں ان مذاہب کی طرف میلان پیدا ہونے کا بہت کم امکان ہوتا ہے، چاہے ان مذاہب کے بے کردار پیروانہیں اپنے مذاہب کی طرف لانے کے لئے کتنے ہی جتن کیوں نہ کریں۔ اگر ہم نے دوسرے انسانوں کو اپنی طرف مائل کرنا ہے کہ آخری نبی ﷺ کے لائے ہوئے دین کو مانیں تو پھر لازم ہے کہ ہم خود اپنی زندگیوں کو اس عالی وقار نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ڈھالنے کی امکان بھر کوشش کرتے رہیں، ورنہ ہماری تبلیغ بالکل بے اثر رہے گی۔ تبلیغ دین کے لئے خود اپنا کردار درست رکھنا کتنا ضروری ہے، ذیل کی آیات اور احادیث اس کی اچھی طرح وضاحت کر دیتی ہیں۔ سورۃ الصف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔'' (آیات: 2,3)

حضور ﷺ سے پہلے بنی اسرائیل کا یہ حال تھا کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کی تلقین کرتے تھے مگر اپنی سیرت و کردار کا کچھ

دھیان نہیں رکھتے تھے۔ انہیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم (اللہ کی) کتاب پڑھتے ہو۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔'' (البقرہ: 44)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنے پیغمبر بھی مجھ سے پہلے گزرے ہیں ان کی امتوں میں ان کے جان نثار اور ان کے صحابی ہوتے رہے ہیں جو ان کی سنت کی پیروی اور ان کے احکام کی اقتداء کرتے تھے، پھر ان کے بعد ان کے ایسے جانشین پیدا ہوئے جو کچھ وہ کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا۔ اتنا بیان کر کے پھر حضور ﷺ نے اس قسم کے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

''تو ایسوں کے ساتھ جس نے ہاتھ کے ساتھ جہاد کیا وہ مومن ہے، جس نے ان سے زبان سے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس نے دل سے جہاد کیا، وہ مومن ہے اور اس کے نیچے ایمان کا کوئی درجہ رائی کے برابر بھی نہیں ہے۔'' (مسلم)

حضور ﷺ کا ایک اور فرمان ایسے لوگوں کے خوفناک انجام کی وضاحت کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''قیامت کے دن کسی شخص کو لایا جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے پیٹ کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے (اس پر) دوزخی جمع ہو کر اس سے کہیں گے کہ اے شخص! کیا بات ہے، کیا تو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع نہیں کرتا تھا۔ وہ جواب دے گا، ہاں! (میں نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتا تھا) لیکن لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا (اور) انہیں برائی سے روکتا تھا لیکن خود برائی کرتا تھا'' (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں اسی قسم کا مضمون بیان ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں نے معراج کی شب میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔'' جبرائیلؑ نے کہا: یہ آپ کی امت کے مقررین ہیں۔ یہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور خود کو بھولے ہوئے تھے۔'' (مشکوٰۃ شریف)

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر دین اسلام کو اختیار کیا تھا وہ سبھی مسلمانوں کی زبانی تبلیغ ہی سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جنہیں مسلمانوں کی سیرت اور کردار نے متاثر کیا تھا۔

سن 6 ہجری میں حضور ﷺ نے قریش مکہ سے ''صلح حدیبیہ'' کا معاہدہ کیا۔ اگرچہ یہ معاہدہ چند سال بعد ٹوٹ گیا، لیکن اس معاہدہ کے دوران مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے علاقوں میں آتے جاتے رہے اور کافروں نے مسلمانوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ ملتے جلتے تھے، تجارت کرتے اور باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا۔ جو مسلمان کافروں کے پاس جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس

سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسلام نہایت تیزی سے پھیلا۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے قول و فعل سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ مسلمان جس ملک میں جاتے تھے، لوگوں میں انہیں دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا۔

ایک دفعہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا۔ قاضی نے ذمی سے پوچھا "تمہارا کیا جواب ہے؟" اس نے کہا کہ میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضے میں ہے۔ شریح نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپؓ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گر گئی تھی۔ انہوں نے حضرت حسنؓ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا۔ قاضی نے کہا قنبر کی شہادت کو تو قبول کرتا ہوں، لیکن حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت مسترد کرتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ "الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنة (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے) شریح نے کہا: "سنا ہے لیکن میں باپ کے حق میں بیٹے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا۔" اس فیصلے کو حضرت علیؓ نے تسلیم کر لیا اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی۔ اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپؓ ہی کی ہے، اور تمہارا دین سچا ہے، میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام لانے سے اتنی مسرت ہوئی کہ انہوں نے اپنی زرہ اس کو دے دی۔

مشہور صوفی بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ایک حکایت بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک آتش پرست کا گھر تھا، ایک دفعہ وہ سفر پر گیا۔ اس کا ایک شیر خوار بچہ تھا جو رات ہوتی تو اندھیرے کی وجہ سے رونے لگتا تھا کیونکہ اس آتش پرست کے گھر میں چراغ نہیں تھا۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنا معمول بنا لیا کہ جونہی رات ہوتی وہ اپنے گھر سے چراغ اٹھاتے اور ہمسائے کے گھر میں رکھ آتے۔ اس طرح بچہ خوش ہو جاتا تھا۔ آتش پرست جب سفر سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے اسے سارا حال سنایا۔ وہ حضرت کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الفاروق" میں لکھتے ہیں:

"شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا، مسلمانوں کے حالات سن کر ہی اسلام کا گرویدہ ہوا اور دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔"

تاریخ کا یہ مشہور واقعہ بتاتا ہے کہ کس طرح سیرت و کردار کی پختگی اغیار پر اثر ڈالتی اور انہیں اسلام کے آگے سر جھکانے پر مجبور کرتی ہے۔

دوسری صدی کے ابتدا کا واقعہ ہے کہ بجستان درنج کے حکمران نے جس کا خاندانی لقب "رتبیل" تھا بنو امیہ کی حکومت کو خراج دینا بند کر دیا۔ اس کے خلاف پیہم چڑھائیاں کی گئیں مگر اس نے اطاعت اختیار نہ کی۔ یزید بن عبدالملک اموی کے عہد میں جب خراج طلب کرنے کے لئے اس کے پاس ایک سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمان سفیروں سے کہا:

"وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پچکے ہوئے تھے، پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔" سفیر نے کہا: وہ لوگ تو اب گزر چکے ہیں۔ اس پر رتبیل بولا: "اگرچہ تمہاری صورتیں ان سے زیادہ شاندار ہیں مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے، تم سے زیادہ طاقتور تھے۔"

یہ کہہ کر رتبیل نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

واضح رہے کہ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب مسلمان کا کردار موجودہ عہد کے مقابلے میں بہت زیادہ مضبوط تھا۔ تاہم جن لوگوں نے ان سے بھی بہتر سیرت و کردار والے لوگ دیکھے ہوئے تھے۔ وہ جس طرح ان پہلے آنے والوں کے آگے جھک گئے اس طرح ان بعد میں آنے والوں کے آگے نہ جھکے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ جس تناسب سے داعی کا کردار کمزور ہوتا جائے اسی تناسب سے مخالفین کے دلوں سے اس کا رعب اور احترام کم ہوتا چلا جاتا ہے، اور جس تناسب سے مخالفین کے دلوں سے داعی الی اللہ اور اسلام کا احترام کم ہوگا، اسی تناسب سے ان کے راہِ حق اور دعوت حق کی طرف آنے کی راہیں بھی مسدود ہوتی چلی جائیں گی۔

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

✿✿✿✿✿

بقیہ: دعوت دین اور اولوالعزم من الرسل

اور پھر آپؐ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس طرح سے اس فریضہ کو پہچانا، اور اس کام میں آپؐ کا دل و جان سے ساتھ دیا وہ تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت سے موجود ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی ذاتی رابطہ مہم کے نتیجے میں 6 ساتھی جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں ایمان لائے۔ پھر حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر بیت اللہ میں علانیہ کلمۂ حق بلند کیا گیا۔ اصل میں حقیقی داعی اپنے اخلاق اور سیرت و کردار کی بلندیوں کے ساتھ جب بات کرتا ہے، تو اس کی بات کا وزن ہر کوئی محسوس کرتا ہے، خواہ تسلیم کرے یا نہ کرے۔ یہی اصل میں دعوت کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح:29)

"کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھی کفار کے مقابلے میں سخت اور باہم ایک دوسرے سے نرم ہیں۔"

اگر دعوت کا عمل ذاتی سطح پر صحیح طریقہ سے کیا جائے تو یہ مراحل تو ناگزیر ہیں۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ان مراحل سے نہ گزارتا۔

بعض اوقات ہم یہ پہلو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ صحابہؓ نے تو یہ کام کر لیا ہم کیا کریں۔ ہمیں تو وسائل زندگی مہیا کرنے کے لئے سخت محنت کرنی پڑتی ہے اور بال بچوں کے جھمیلوں میں سے وقت نکالنا ممکن ہے اور نہ انفاق کرنا۔ گویا ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے رزق کا معاملہ تو شائد کوئی اور کرتا تھا اور ان کے بیوی بچے بھی نہ تھے۔ اُن پر آسمان سے رزق نازل ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ تو اپنے انبیاء کے بارے میں بار بار بیان کرتے ہیں "قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا" اور یہی معاملہ صحابہؓ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے انبیاءؑ و رسلؑ اور ان کے ساتھیوں کا اسوہ اختیار کرنے اور مال و جان سے دعوت کا عمل تمام سطحوں پر ادا کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے معراج کی شب میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جبرائیلؑ نے کہا: یہ آپؐ کی امت کے مقررین ہیں۔ یہ لوگوں کو نیکی اور تقویٰ کی تلقین کرتے تھے اور خود کو بھولے ہوئے تھے۔

فرض آپ کو پکار رہا ہے!

مولانا یوسف اصلاحی

بے شک آپ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں' روزہ رکھتے ہیں' زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرتے ہیں' استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں' آپ اسلامی وضع قطع کے بھی پابند ہیں' حلال وحرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس ہیں' آپ تقویٰ وطہارت کے لوازم کا بھی التزام کرتے ہیں اور نوافل واذکار' صدقہ وخیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں' اس لیے کہ آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں آپ تنہا بھی نہیں ہیں' آپ کی طرح شریعت کے احکام وآداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے اُمت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں اور اگر میں یہ دعویٰ کروں تو اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ اپنی عبرت ناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیروؤں سے آگے ہیں۔ اُمت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں' جن کی سیرت اور کردار آئینے کی طرح صاف ہے' جن کا تقویٰ ہر شبہ سے بالا ہے' اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کی ٹکر کے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہیں۔ ان کے پاس ہر طرح کے وسائل وذرائع بھی ہیں۔ ان کے پاس کوئلہ بھی ہے' پٹرول بھی ہے' لوہا بھی ہے' سونا بھی ہے' یہ دولت مند بھی ہیں اور دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں بھی ہیں۔

تلخ سہی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت وحکومت کے باوجود سب سے زیادہ ذلیل وخوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے' نہ ان کی اپنی کوئی رائے ہے' نہ کوئی منصوبہ' نہ ان کا کوئی وقار ہے اور نہ کوئی اعتبار' انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کرسکتی ہے' لیکن اجتماعی حیثیت سے دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

آپ اسی اُمت کے ایک فرد ہیں۔ آپ کا مستقبل اُمت کے مستقبل سے وابستہ ہے' کیا آپ کو یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ اُمت کو اس ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کے لیے پھر بے تاب کردیا جائے۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ اس بے قدری اور ذلت کی وجہ کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ اُمت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے' جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا تھا۔

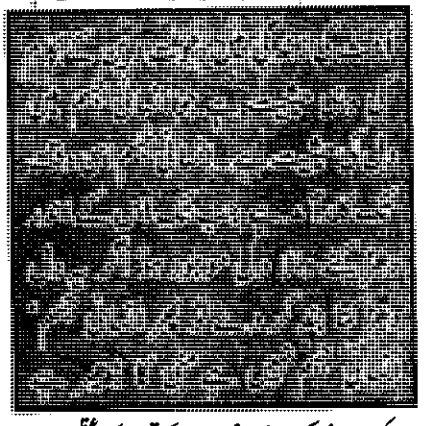

اس کو خدا نے ایک خاص منصوبے کے تحت ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ خدا نے اس کی زندگی کا وہی مشن قرار دیا ہے جو اپنے اپنے دور میں خدا کے پیغمبروں کا مشن رہا ہے۔ نبوت کا سلسلہ نبی اُمی پر ختم ہوگیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی زندگی تک اسی اُمت کو انجام دینا ہے۔ یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے' اسی کی خاطر خدا نے اسے ایک اُمت بن کر رہنے کی تاکید کی ہے' اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے' خدا کا ارشاد ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾

(آل عمران:104)

''تم کو ایک ایسی اُمت بن کر رہنا چاہیے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے''۔

خیر سے مراد ہر وہ نیکی اور بھلائی ہے جس کو نوع انسانی نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی سمجھا ہے اور خدا کی وحی نے بھی اس کو نیکی اور بھلائی قرار دیا ہے' الخیر سے مراد وہ ساری نیکیاں ہیں جن کے مجموعے کا نام دین ہے' اور جو ہمیشہ خدا کے پیغمبر خدا کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ اُمت کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو کسی امتیاز کے بغیر اس دین کی دعوت دے' اور اسی سوز اور تڑپ کے ساتھ دعوت کا کام کرے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے کیا ہے' اس لیے کہ وہی مشن خدا نے اس اُمت کے سپرد کیا ہے۔

اُمت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی حیثیت ہے۔ انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو' اگر یہ دل دھڑکنا بند کردے تو پھر انسانی جسم' انسانی جسم نہیں ہے مٹی کا ڈھیر ہے۔ اس لیے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

ٹھیک یہی حیثیت دعوت دین کی بھی ہے۔ اگر اُمت یہ کام سرگرمی سے انجام دے رہی ہے۔ خدا کے منصوبے اور منشا کے مطابق اُمت میں صالح عناصر کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر صالح عنصر چھٹ رہا ہے' نیکیاں پنپ رہی ہیں اور برائیاں دم توڑ رہی ہیں تو اُمت زندہ ہے اور عظمت وعزت اور وقار وسربلندی اس کی تقدیر ہے' لیکن اُمت اگر اس فرض سے غافل ہوجائے' دین حق کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم ہے اور مردہ ملت بھلا عزت وعظمت کا مقام کیسے پاسکتی ہے۔

خدا کے نزدیک بھی اُمت کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے

جس پر خدا نے اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اگر وہ اس منصب ہی کو فراموش کر دے اور اسے احساس ہی نہ رہے کہ خدا نے مجھے کس کام کے لیے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کو اس کی کیا پروا کہ کون اسے پیروں میں روند رہا ہے' اور کون اس کی عزت سے کھیل رہا ہے۔

آپ کے ہاتھ میں بندھی ہوئی یہ قیمتی گھڑی یقیناً آپ کی نظر میں ایک نعمت ہے' آپ نے اس کو اس لیے اپنے ہاتھ میں جگہ دی ہے کہ یہ آپ کو صحیح وقت بتائے اور آپ اپنے اوقات کو منظم کر کے ٹھیک وقت پر اپنے سارے کام انجام دے سکیں۔ اگر یہ گھڑی اپنا کام ٹھیک انجام دے تو آپ اسے اپنے ہاتھ کی زینت بنائے رکھتے ہیں' اہتمام کے ساتھ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آپ کو گوارا نہیں ہوتا کہ اس پر پانی کی ایک بوند پڑے' اس کے نازک شیشے کو ذرا سی ٹھیس لگے یا کسی چیز سے یہ ٹکرائے۔ لیکن گھڑی کی یہ ساری قدر و منزلت اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا یہ اہتمام اسی وقت تک ہے' جب تک وہ صحیح وقت بتاتی ہے۔ اگر وہ بار بار بند ہونے لگے' کبھی آدھا گھنٹہ تیز ہو جائے اور کبھی ایک گھنٹہ سست چلنے لگے' آپ بار بار اس سے دھوکہ کھائیں' آپ کے پروگرام اس سے متاثر ہونے لگیں اور وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو جس کی خاطر آپ نے اسے اپنے ہاتھ پر جگہ دی تھی تو کیا آپ یہ برداشت کریں گے کہ پھر بھی وہ آپ کے ہاتھ کی زینت بنی رہے' اور آپ اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہیں؟ یقیناً آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ گھڑی نہیں چند پرزوں کا مجموعہ ہے اور پیتل کے چند ٹکڑے ہیں' اس کی مناسب جگہ انسان کا قابل احترام ہاتھ نہیں بلکہ کباڑیے کی دکان ہے' اور پھر آپ کو اس کی کیا پروا کہ کباڑیہ اس کو کہاں ڈالتا ہے اور اس کو بے دردی کے ساتھ کوٹتا اور توڑتا ہے یا کوئی اس کو بھٹی میں گلاتا ہے۔ آپ کے نزدیک تو بجا طور پر اس کی جو کچھ قدر و منزلت تھی اسی بنا پر تھی کہ وہ صحیح وقت بتائے' اس لیے کہ بنانے والے نے اسے اسی لیے بنایا تھا' اور آپ نے ایک بڑی رقم دے کر اسی لیے خریدا تھا۔

خدا نے اُمت مسلمہ کو اسی لیے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسروں تک خدا کا دین پہنچائے' سوسائٹی میں نیکیوں کا پرچار کرے اور برائیوں کو مٹائے۔ جب تک وہ اپنے اس فرض کو انجام دیتی رہے گی' خدا کی نصرت و حمایت بھی اسے حاصل رہے گی' وہ اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہوگا اور اسے عظمت و وقار کی بلندیوں سے سرفراز بھی فرمائے گا۔ لیکن اُمت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے تو پھر نہ اس کی کثرتِ تعداد اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے' نہ دولت و حکومت اس کے کام آ سکتی ہے' نہ تسبیح و تہلیل اور نوافل و اذکار کی کثرت سے وہ عظمتِ رفتہ کو پا سکتی ہے' اور نہ یہ انفرادی دینداری اس کو خدا کے غضب سے بچا سکتی ہے۔ اگر ہر طرف بگاڑ ہو اور خدا کے بندے خدا کو بھول کر اپنی من مانی کر رہے ہوں اور آپ ان سے بے فکر صرف اپنی فکر میں لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لیجیے کہ خدا کا (عذاب) بہت قریب ہے اور پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہ سکے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''خدائے بلند و برتر نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ ایسی ایسی بستی کو الٹ دو' جبریلؑ نے کہا: پروردگار ان میں تو تیرا ایک ایسا نیک بندہ ہے جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی ہے۔ پروردگار نے کہا: ہاں جبریل بستی کو اس پر بھی الٹ دو اور دوسروں پر بھی۔ اس لیے کہ (ان بستیوں میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور) اس کے ماتھے پر شکن تک نہیں آئی''۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن جابرؓ)

یہ حدیث اگر آپ کے اندر کوئی بے تابی پیدا کرے تو اس کی قدر کیجیے اور خدا سے دعا کیجیے کہ وہ اس بے تابی میں اور اضافہ کرے۔ آپ کا فرض آپ کو پکار رہا ہے اور یہی بے تابی آپ کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

کاروباری اور ملازمت پیشہ افراد (مرد حضرات) کے لیے

بنیادی دینی علوم سے آگاہی کا موقع

مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبۂ تدریس کے زیر اہتمام

تفہیم دین کورس

کا 22 اکتوبر 2007ء سے آغاز ہو رہا ہے (ان شاء اللہ)

مضامین: ☆ ابتدائی عربی گرائمر مع ترجمہ قرآن ☆ تجوید و قرءات (ناظرہ قرآن مجید) ☆ نماز و ادعیہ ماثورہ کا ترجمہ و حفظ ☆ تعارف حدیث ☆ دین کے بنیادی موضوعات پر لیکچرز

دورانیہ: 3 ماہ..... **اوقات تدریس:** مغرب تا عشاء

قرآن اکیڈمی 36 کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور کے استقبالیہ سے داخلہ فارم حاصل کریں اور پُر کر کے 21 اکتوبر 2007ء تک وہیں جمع کرا دیں۔

فون 5869501' ای میل irts@tanzeem.org

مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کو چھوڑنا خدائے وحدہ لاشریک کی لعنت اور غضب کا باعث ہے۔ اس کی پاداش میں اُمت سخت مصائب و آلام اور ذلت ورسوائی میں مبتلا کر دی جائے گی..... ہمارے لئے نجات کی راہ یہی ہے کہ ہم امت کی اجتماعی ذمہ داری کو پہچانیں اور اس کی ادائیگی پر کمربستہ ہو جائیں

مولانا محمد احتشام الحسن

مولانا احتشام الحسن کی یہ وقیع تحریر تبلیغی نصاب (جہیز ایڈیشن) کا مستقل جزو ہے۔ جسے تبلیغی نصاب سے لے کر اولاً ناشران قرآن لمٹیڈ اردو بازار لاہور نے ''مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج'' کے عنوان سے الگ کتابچے کی صورت میں شائع کیا۔ بعد ازاں یہ تحریر بانیٔ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تالیف ''امت مسلمہ کے لئے سہ نکاتی لائحہ عمل'' میں شامل کی گئی۔ دعوتِ دین کے خصوصی حوالے سے اس تحریر کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اب اسے ''دعوت دین نمبر'' کے ذریعے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

• اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ خَاتِمِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ

آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال قبل جب دنیا کفر وضلالت، جہالت وسفاہت کی تاریکیوں میں گھری ہوئی تھی، بطحا کی سنگلاخ پہاڑیوں سے رشد وہدایت کا ماہتاب نمودار ہوا اور مشرق ومغرب شمال وجنوب غرض دُنیا کے ہر ہر گوشہ کو اپنے نُور سے منور کیا اور 23 سال کے قلیل عرصہ میں بنی نوع انسان کو اس معراج ترقی پر پہنچایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے اور رشد وہدایت صلاح وفلاح کی وہ مشعل مسلمانوں کے ہاتھ میں دی جس کی روشنی میں ہمیشہ شاہراہِ ترقی پر گامزن رہے اور صدیوں اس شان وشوکت سے دنیا پر حکومت کی کہ ہر مخالفِ قوت کو ٹکرا کر پاش پاش ہونا پڑا۔ یہ ایک حقیقت ہے جو ناقابل انکار ہے لیکن پھر بھی ایک پارینہ داستان ہے جس کا بار بار دہرانا تسلی بخش ہے اور نہ کارآمد اور مفید۔ جبکہ موجودہ مشاہدات اور واقعات خود ہماری سابقہ زندگی اور ہمارے اسلاف کے کارناموں پر بدنما داغ لگا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کو جب تاریخ کے اوراق میں دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم عزت وعظمت، شان وشوکت، دبدبہ وحشمت کے تنہا مالک اور اجارہ دار ہیں، لیکن جب ان اوراق سے نظر ہٹا کر موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے تو ہم انتہائی ذلت وخواری افلاس وناداری میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ نہ زور وقوت ہے نہ زر ودولت ہے، نہ شان وشوکت ہے، نہ باہمی اُخوت و اُلفت، نہ عادات اچھی، نہ اخلاق اچھے، نہ اعمال اچھے، نہ کردار اچھے۔ ہر برائی ہم میں موجود اور ہر بھلائی سے کوسوں دُور۔ اغیار ہماری اس زبوں حالی پر خوش ہیں اور برملا ہماری کمزوری کو اچھالا جاتا ہے اور ہمارا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ خود ہمارے جگر گوشے نئی تہذیب کے دلدادہ نوجوان، اسلام کے مقدس اصولوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، بات بات پر تنقیدی نظر ڈالتے ہیں اور اس شریعتِ مقدسہ کو ناقابل عمل، لغو اور بے کار گردانتے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے؟ جس قوم نے دنیا کو تہذیب وتمدن کا سبق پڑھایا۔ وُہ آج کیوں غیر مہذب اور غیر متمدن ہے؟ رہنمایانِ قوم نے آج سے بہت پہلے ہماری اس حالتِ زار کا اندازہ لگایا اور مختلف طریقوں پر ہماری اصلاح کے لیے جدوجہد کی مگر ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج جب کہ حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ، ماسبق سے بھی زیادہ پرخطر اور تاریک نظر آ رہا ہے۔ ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابلِ تلافی جرم ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم کوئی عملی قدم اٹھائیں ضروری ہے کہ ان اسباب پر غور کریں جن کے باعث ہم اس ذِلت وخواری کے عذاب میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ ہماری اس پستی اور انحطاط کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں اور ان کے ازالہ کی متعدد تدابیر اختیار کی گئیں لیکن ہر تدبیر ناموافق وناکام ثابت ہوئی، جس کے باعث ہمارے رہبر بھی یاس وہراس میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اب تک ہمارے مرض کی تشخیص ہی پورے طور پر نہیں ہوئی۔ یہ جو کچھ اسباب بیان کیے جاتے ہیں اصل مرض نہیں، بلکہ اس کے عوارض ہیں۔ پس تاوقتیکہ اصل مرض کی جانب توجہ نہ ہو گی اور مادہ حقیقی کی اصلاح نہ ہو گی، عوارض کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔ پس جب تک کہ ہم اصل مرض کی ٹھیک تشخیص اور اس کا صحیح علاج معلوم نہ کر لیں، ہمارا اصلاح کے بارے میں لب کشائی کرنا سخت ترین غلطی ہے۔

ہمارا یہ دعوٰی ہے کہ ہماری شریعت ایک مکمل قانونِ الٰہی ہے جو ہماری دینی اور دنیوی فلاح وبہبود کا تا قیامِ قیامت ضامن ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خود ہی اپنا مرض تشخیص کریں اور خود ہی اس کا علاج شروع کر دیں۔ بلکہ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم قرآنِ حکیم سے اپنا اصل مرض معلوم کریں اور اسی مرکزِ رشد وہدایت سے طریقِ علاج معلوم کر کے اس پر کاربند ہوں۔ جب قرآنِ حکیم قیامت تک کے لیے مکمل دستور العمل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس نازک حالت میں ہماری رہبری سے قاصر رہے۔

مالکِ ارض وسماء جل وعلا کا سچا وعدہ ہے کہ رُوئے زمین کی بادشاہت وخلافت مومنوں کے لیے ہے۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ﴾
(النور:55)

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح کیے کہ ان کو ضرور روئے زمین کا خلیفہ بنائے گا۔''

اور یہ بھی اطمینان دلایا ہے کہ مومن ہمیشہ کفار پر غالب رہیں گے اور کافروں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔

﴿وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۝﴾
(الفتح:22)

''اور اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے، پھر نہ پاتے کوئی یار و مددگار۔''

﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾
(الروم:47)

''اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی''

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝﴾ (آل عمران:139)

''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو۔ اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے''

مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔''

ہمارے اسلاف عزت کے منتہا کو پہنچے ہوئے تھے اور ہم انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ کمالِ ایمان سے متصف تھے اور ہم اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں جیسا کہ مخبرِ صادق ﷺ نے خبر دی ہے:

((سَیَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ))

یعنی ''قریب ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے گا، اور قرآن کے صرف نقوش رہ جائیں گے۔''

اب غور طلب امر یہ ہے اگر واقعی ہم اس حقیقی اسلام سے محروم ہو گئے جو خدا اور رسول ﷺ کے یہاں مطلوب ہے اور جس کے ساتھ ہماری دین و دنیا کی فلاح و بہبود وابستہ ہے تو کیا ذریعہ ہے جس سے وہ کھوئی نعمت واپس آئے؟ اور وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے روحِ اسلام ہم میں سے نکال لی گئی اور ہم جسد بے جان رہ گئے۔

آج جب کہ ہماری حالت بد سے بدتر ہو چکی اور آنے والا زمانہ، ماسبق سے بھی زیادہ پرخطر اور تاریک نظر آ رہا ہے ہمارا خاموش بیٹھنا اور عملی جدوجہد نہ کرنا ایک ناقابلِ تلافی جرم ہے

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾
(المنافقون:8)

''اور اللہ ہی کی ہے عزت اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی۔''

مذکورہ بالا ارشادات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عزت، شان و شوکت سربلندی و سرفرازی اور برتری و خوبی ان کی صفتِ ایمان کے ساتھ وابستہ ہے۔ اگر ان کا تعلق خدا اور رسول ﷺ کے ساتھ مستحکم ہے (جو ایمان کا مقصود ہے) تو سب کچھ ان کا ہے اور اگر خدانخواستہ اس رابطہ و تعلق میں کمی اور کمزوری پیدا گئی ہے تو پھر سراسر خسران اور ذلت و خواری ہے، جیسا واضح طور پر بتلا دیا گیا۔

﴿وَالْعَصْرِ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۝﴾
(العصر)

''قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے

جب مصحفِ آسمانی کی تلاوت کی جاتی ہے اور ''اُمتِ محمدیہ ﷺ'' کی فضیلت اور برتری کی علت و غایت ڈھونڈی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس امت کو ایک اعلیٰ اور برتر کام سپرد کیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ''خیر الامم'' کا معزز خطاب اس کو عطا کیا گیا۔

دنیا کی پیدائش کا مقصدِ اصلی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات و صفات کی معرفت ہے، اور یہ اس وقت تک ناممکن ہے کہ جب تک بنی نوع انسان کو برائیوں اور گندگیوں سے پاک کر کے بھلائیوں اور خوبیوں کے ساتھ آراستہ نہ کیا جائے۔ اسی مقصد کے لیے ہزاروں رسولؑ اور نبی بھیجے گئے اور آخر میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ:3) کا مژدہ سنایا گیا۔

اب چونکہ مقصد کی تکمیل ہو چکی تھی، ہر بھلائی اور برائی کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا تھا، ایک مکمل نظامِ عمل دیا جا چکا تھا، اس لیے رسالت و نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا گیا۔ اور جو کام پہلے نبی اور رسول سے لیا جاتا تھا وہ قیامت تک ''امتِ محمدیہ'' کے سپرد کر دیا گیا۔

﴿كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ﴾ (آل عمران:110)

''(اے اُمتِ محمدیہ ﷺ) تم افضل اُمت ہو۔ تم کو لوگوں کے نفع کے لیے بھیجا گیا ہے۔ تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بُری باتوں سے ان کو روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾
(آل عمران:104)

''اور چاہیے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے۔ اور بُری باتوں سے منع کرے اور وہی لوگ فلاح والے ہیں (جو اس کام کو کرتے ہیں)۔''

پہلی آیت میں ''خیر اُمم'' ہونے کی وجہ یہ بتلائی کہ تم بھلائی کو پھیلاتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ دوسری آیت میں حصر کے ساتھ فرما دیا کہ فلاح و بہبود صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ دوسری جگہ صاف طور پر بیان کر دیا کہ اس کام کو انجام نہ دینا لعنت اور پھٹکار کا موجب ہے۔

﴿لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ۝ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۝﴾ (المائدہ:79-78)

''بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم کی زبان سے۔ یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو بُرا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے۔ واقعی ان کا یہ فعل بے شک بُرا تھا۔''

اس آخری آیت کی مزید وضاحت احادیثِ ذیل سے ہوتی ہے۔

وَفِی السُّنَنِ وَالْمُسْنَدِ مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانَ اِذَا عَمِلَ الْعَامِلُ فِیْھِمْ بِالْخَطِیْئَۃِ جَآءَہُ النَّاھِیْ تَعْزِیْرًا فَقَالَ یَا ھٰذَا اِتَّقِ اللّٰہَ فَاِذَا کَانَ مِنَ الْغَدِ جَالَسَہٗ وَاٰکَلَہٗ وَشَارَبَہٗ کَاَنَّہٗ لَمْ یَرَہٗ عَلٰی خَطِیْئَۃٍ بِالْاَمْسِ فَلَمَّا رَاٰی عَزَّ وَجَلَّ ذٰلِکَ مِنْھُمْ ضَرَبَ بِقُلُوْبِ بَعْضِھِمْ عَلٰی بَعْضٍ ثُمَّ لَعَنَھُمْ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّھِمْ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ کَانُوْا یَعْتَدُوْنَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ السَّفِیْہِ وَلَتَاْطِرُنَّہٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا وَلَیَضْرِبَنَّ اللّٰہُ بِقُلُوْبِ بَعْضِکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ثُمَّ یَلْعَنُکُمْ کَمَا لَعَنَھُمْ))

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم سے پہلی امتوں میں جب کوئی خطا کرتا تو روکنے والا اس کو دھکاتا اور کہتا کہ خدا سے ڈر، پھر اگلے ہی دن اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا، کھاتا پیتا، گویا کل اس کو گناہ کرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں۔ جب حق عزوجل نے ان کا یہ برتاؤ دیکھا تو بعض کے قلوب کو بعض کے ساتھ خلط کر دیا اور ان کے نبی داؤدؑ اور عیسیٰؑ بن مریم علیہما السلام کی زبانی ان پر لعنت کی اور یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا۔ قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم ضرور اچھی باتوں کا حکم کرو اور بُری باتوں سے منع کرو اور چاہیے کہ بے وقوف نادان کا ہاتھ پکڑو، اس کو حق بات پر مجبور کرو، ورنہ حق تعالیٰ تمہارے قلوب کو بھی خلط ملط کر دیں گے اور پھر تم پر بھی لعنت ہوگی جیسا کہ پہلی امتوں پر لعنت ہوئی۔''

وَفِی سُنَنِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَابْنِ مَاجَۃَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: ((مَامِنْ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ قَوْمٍ یَعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْمَعَاصِیْ یَقْدِرُوْنَ عَلٰی اَنْ یُغَیِّرُوْا عَلَیْہِ وَلَا یُغَیِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتُوْا))

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں۔ (یعنی دنیا ہی میں ان کو طرح طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔)''

وَرَوَاہُ لَا صْبَھَانِیْ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ ((لَاتَزَالُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تَنْفَعُ مَنْ قَالَھَا وَتَرُدُّ عَنْھُمُ الْعَذَابَ وَالنِّقْمَۃَ مَالَمْ یَسْتَخِفُّوْا بِحَقِّھَا)) قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا لْاِسْتِخْفَافُ بِحَقِّھَا قَالَ ((یَظْھَرُ الْعَمَلُ بِمَعَاصِی اللّٰہِ فَلَا یُنْکَرُ وَلَا یُغَیَّرُ))

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنے

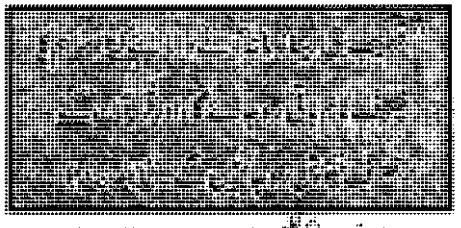

دور کرتا ہے جب تک کہ اس کے حقوق کی بے پروائی نہ برتی جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کے حقوق کی بے پروائی کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کی نافرمانی کھلے طور پر کی جائے پھر نہ ان کا انکار کیا جائے اور نہ ان کے بند کرنے کی کوشش کی جائے۔''

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ ﷺ فَعَرَفْتُ فِیْ وَجْھِہٖ اَنْ قَدْ حَضَرَہٗ شَیْءٌ فَتَوَضَّاَ وَمَا کَلَّمَ اَحَدًا فَلَصَقْتُ بِالْحُجْرَۃِ اَسْتَمِعُ مَا یَقُوْلُ فَقَعَدَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ وَقَالَ ((یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لَکُمْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ قَبْلَ اَنْ تَدْعُوْا فَلَا اُجِیْبَ لَکُمْ وَتَسْاَلُوْنِیْ فَلَا اُعْطِیَکُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِیْ فَلَا اَنْصُرَکُمْ فَمَازَادَ عَلَیْھِنَّ حَتّٰی نَزَلَ))

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ حضورِ اقدس ﷺ نے کسی سے کوئی بات نہ کی اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ میں مسجد کی دیوار سے لگ گئی تا کہ کوئی ارشاد ہو اس کو سنوں۔ حضور ﷺ اقدس منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔ ''لوگو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بھلی باتوں کا حکم کرو اور بُری باتوں سے منع کرو مبادا وہ وقت آ جائے کہ تم دعا مانگو اور میں اس کو قبول نہ کروں اور تم مجھ سے سوال کرو اور میں اس کو پورا نہ کروں اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔ حضور ﷺ اقدس نے صرف یہ کلمات ارشاد فرمائے اور منبر سے اُتر گئے۔''

((عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا عَظُمَتْ اُمَّتِیَ الدُّنْیَا نَزَعَتْ مِنْھَا ھَیْبَۃُ الْاِسْلَامِ وَاِذَا تَرَکَتِ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ حُرِمَتْ بَرَکَۃُ الْوَحْیِ وَاِذَا تَسَابَّتْ اُمَّتِیْ سَقَطَتْ مِنْ عَیْنِ اللّٰہِ)) (الترمذی)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری اُمت دنیا کو قابلِ وقعت و عظمت سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت و ہیبت ان کے قلوب سے نکل جائے گی۔ اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں ایک دوسرے کو سب و شتم کرنا اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہٗ کی نگاہ سے گر جائے گی۔''

احادیث مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو چھوڑنا خدا وحدہٗ لاشریک کی لعنت اور غضب کا باعث ہے اور جب اُمتِ محمدیہ اس کام کو چھوڑ دے گی تو سخت مصائب و آلام اور ذلت و خواری میں مبتلا کر دی جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت و مدد سے محروم ہو جائے گی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ اُس نے اپنے فرض منصبی کو نہیں پہچانا اور جس کام کی انجام دہی کی ذمہ دار تھی اس سے غافل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور جزو لازمی قرار دیا اور اس کے چھوڑنے کو ایمان کے ضعف و اضمحلال کی علامت بتلایا۔ حدیث ابوسعید خدریؓ میں ہے:

((مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

"تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے کام لے کر اس کو دُور کرے اور اگر اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ پائے تو دل سے۔ اور یہ (آخری صورت) ایمان کی بڑی کمزوری کا درجہ ہے۔"

پس جس طرح آخری درجہ اضعف ایمان کا ہوا، اسی طرح پہلا درجہ کمالِ دعوت اور کمالِ ایمان کا ہوا۔ اس سے بھی واضح تر حدیث ابن مسعودؓ کی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَہٗ فِیْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَّقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَالَا یُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَیْسَ وَرَاءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ)) (رواہ مسلم)

یعنی سنتِ الٰہی یہ ہے کہ "ہر نبی اپنے ساتھیوں اور تربیت یافتہ یاروں کی ایک جماعت چھوڑ جاتا ہے۔ یہ جماعت نبی کی سنت کو قائم رکھتی ہے اور ٹھیک ٹھیک اس کی پیروی کرتی ہے۔ (یعنی شریعتِ الٰہی کو جس حال اور جس شکل میں نبی چھوڑ گیا ہے۔ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیتے) لیکن اس کے بعد (شر و فتن کا دور آتا ہے اور) ایسے لوگ پیدا ہو جاتے ہیں (جو طریقۂ نبی سے ہٹ جاتے ہیں۔) جن کا فعل ان کے دعوے کے خلاف ہوتا ہے (اور ان کے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے لیے شریعت نے حکم نہیں دیا۔ سو ایسے لوگوں کے خلاف جس شخص نے (قیامِ حق و سنت کی راہ میں) اپنے ہاتھ سے کام لیا وہ مومن ہے (اور جو ایسا نہ کر سکا مگر) جس نے زبان سے کام لیا وہ بھی مومن ہے اور جو دل (کے اعتقاد اور نیت کے ثبات) کو ان کے خلاف کام میں لایا وہ بھی مومن ہے لیکن اس آخری درجہ کے بعد ایمان کا کوئی درجہ نہیں (اس پر ایمان کی سرحد ختم ہو جاتی ہے حتیٰ کہ) اب رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہو سکتا۔"

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

"اس میں کچھ شک نہیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رُکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لیے حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم و عمل کو ترک کر دیا جائے تو اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ نبوت کا بے کار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافتِ انسانی کا خاصہ ہے، مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی۔ کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی۔ گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی۔ جہالت عالمگیر ہو جائے گی۔ تمام کاموں میں خرابی آ جائے گی۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ آبادیاں خراب ہو جائیں گی۔ مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی اور اس تباہی اور بربادی کی اس وقت خبر ہو گی جب روزِ محشر کو خدائے بالا و برتر کے سامنے پیشی اور باز پرس ہو گی۔"

افسوس صد افسوس! جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا، جو کھٹکا تھا آنکھوں نے دیکھ لیا۔ ﴿وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾ (الاحزاب:38)

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ (البقرہ:156)

اس سرسبز ستون کے علم و عمل کے نشانات ہٹ چکے۔ اس کی حقیقت و رسوم کی برکتیں نیست و نابود ہو گئیں۔ لوگوں کی تحقیر و تذلیل کا سکہ قلوب پر جم گیا۔ خدائے پاک کے ساتھ قلبی تعلق مٹ چکا اور نفسانی خواہشات کے اتباع میں جانوروں کی طرح بے باک ہو گئے۔ روئے زمین پر ایسے صادق مومن کا ملنا دشوار و کمیاب ہی نہیں بلکہ معدوم ہو گیا جو اظہارِ حق کی وجہ سے کسی کی ملامت کو گوارا کرے۔

اگر کوئی مردِ مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور اس سنت کے احیاء میں کوشش کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستینیں چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے کے لیے میدان میں آئے تو یقیناً وہ شخص تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہو گا۔

امام غزالیؒ نے جن الفاظ میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو بیان کیا ہے وہ ہماری تنبیہ اور بیداری کے لیے کافی ہیں۔

ہمارے اس قدر اہم فریضہ سے غافل ہونے کی چند وجوہ معلوم ہوتی ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس فریضہ کو علماء کے ساتھ خاص کر لیا۔ حالانکہ خطاباتِ قرآنی عام ہیں۔ امت محمد یہ کے ہر ہر فرد کو شامل ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کی زندگی اس کے لیے شاہد و عدل ہے۔

فریضۂ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو علماء کے ساتھ خاص کر لینا اور پھر ان کے بھروسہ پر اس اہم کام کو چھوڑ دینا ہماری سخت نادانی ہے۔ علماء کا کام راہِ حق بتلانا اور سیدھا راستہ دکھلانا ہے پھر اس کے موافق عمل کرانا اور مخلوقِ خدا کو اس پر چلانا یہ (یہ کام شریعت کے معین کردہ دائرہ اختیار کے مطابق) دوسرے لوگوں کا ہے۔ اس

"اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور وہ قوم باوجود قدرت کے اس کو نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے ہی حق تعالیٰ اپنا عذاب بھیج دیتے ہیں۔" (حدیث)

کی جانب اس حدیث شریف میں تنبیہ کی گئی ہے۔

((اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاَمِیْرُ الَّذِیْ عَلَی النَّاسِ رَاعٍ عَلَیْھِمْ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُمْ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ بَعْلِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْھُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْہُ فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ))

"بے شک تم سب کے سب نگہبان ہو اور تم سب اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیے جاؤ گے۔ پس بادشاہ لوگوں پر نگہبان ہے وہ اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور مرد اپنے گھر والوں پر نگہبان ہے، اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد پر نگہبان ہے وہ ان کے بارے میں سوال کی جائے گی اور غلام اپنے مالک کے مال پر نگہبان ہے، وہ اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

((قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ

وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ))
(رواہ مسلم)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''دین سراسر نصیحت ہے۔ہم عرض کیا کس کے لیے؟ فرمایا اللہ کے لیے اور اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اور مسلمانوں کے مقتداؤں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لئے۔''

اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ یہ علماء کا کام ہے تب بھی اس وقت فضا کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر شخص اس کام میں لگ جائے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور حفاظتِ دینِ متین کے لیے کمربستہ ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر ہم خود اپنے ایمان میں پختہ ہیں تو دوسروں کی گمراہی ہمارے لیے نقصان دہ نہیں جیسا کہ اس آیت شریفہ کا مفہوم ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ﴾
(المائدہ:105)

''اے ایمان والو! اپنی فکر کرو، جب تم راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔''

لیکن درحقیقت آیت سے یہ مقصود نہیں جو ظاہر میں سمجھا جا رہا ہے اس لیے کہ یہ معنی حکمتِ خداوندیہ، تعلیماتِ شرعیہ کے بالکل خلاف ہیں۔ شریعتِ اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتایا ہے اور امتِ مسلمہ کو بمنزلہ ایک جسم کے قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بنی نوع انسان خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور کمال کو پہنچ جائے اس میں ایسے لوگوں کا ہونا بھی ضروری ہے جو سیدھے راستے کو چھوڑ کر گمراہی میں مبتلا ہوں تو آیت میں مومنوں کے لیے تسلی ہے کہ جب تم ہدایت اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو تو تم کو ان لوگوں سے مضرت کا اندیشہ نہیں جنہوں نے بھٹک کر سیدھا راستہ چھوڑ دیا۔

نیز اصل ہدایت یہ ہے کہ انسان شریعتِ محمدیہ کو مع تمام احکام کے قبول کرے اور منجملہ خداوندی احکام کے ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

ہمارے اس قول کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد سے ہوتی ہے:

عَنْ اَبِيْ بَكْرِ ۣالصِّدِّيْقِ ؓ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اَنْكُمْ تَقْرَءُوْنَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ((اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ اَوْشَكَ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ))

''حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: ''اے لوگو! تم یہ آیت ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط......﴾ پیش کرتے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب لوگ خلافِ شرع کسی چیز کو دیکھیں اور اس میں تغیر نہ کریں تو قریب ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے عمومی عذاب میں مبتلا فرما دے۔''

ایک عبادت گزار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح کی فکر میں بے چین ہو۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت کو نمایاں کیا

علماء محققین نے بھی آیت کے یہی معنی لیے ہیں۔

امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''علماء محققین کا صحیح مذہب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ جب تم اس چیز کو ادا کر دو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو تمہارے غیر کی کوتاہی تمہیں مضرت نہ پہنچائے گی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور جب ایسا ہے تو منجملہ ان اشیاء کے جن کا حکم دیا گیا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ پس جب کسی شخص نے اس حکم کو پورا کر دیا اور مخاطب نے اس کی تعمیل نہ کی تو اب ناصح پر کوئی عتاب اور سرزنش نہیں، اس لیے کہ جو کچھ اس کے ذمہ واجب تھا وہ امر و نہی ہے، اس نے اس کو ادا کر دیا۔ دُوسرے کا قبول کرنا اس کے ذمے نہیں۔ واللہ اعلم۔''

تیسری وجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، عالم و جاہل ہر شخص اصلاح سے مایوس ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب مسلمانوں کی ترقی اور ان کا عروج ناممکن اور دشوار ہے۔

جب کسی شخص کے سامنے کوئی اصلاحی نظام پیش کیا جاتا ہے تو جواب یہی ملتا ہے، کہ مسلمانوں کی ترقی اب کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کے پاس نہ سلطنت و حکومت ہے نہ مال و زر اور نہ سامانِ حرب اور نہ مرکزی حیثیت، نہ قوتِ بازو اور نہ باہمی اتفاق و اتحاد۔

بالخصوص دیندار طبقہ تو بزعم خود یہ طے کر چکا ہے کہ اب چودھویں صدی ہے، زمانۂ رسالت کو بُعد ہو چکا۔ اب اسلام اور مسلمانوں کا انحطاط ایک لازمی شے ہے، پس اس کے لیے جدوجہد کرنا عبث اور بے کار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جس قدر مشکوٰۃِ نبوت سے بُعد ہوتا جائے گا، حقیقی اسلام کی شعاعیں ماند پڑتی جائیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بقاءِ شریعت اور حفاظتِ دینِ محمدی ﷺ کے لیے جدوجہد اور سعی نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اگر ایسا ہوتا اور ہمارے اسلاف بھی خدانخواستہ یہی سمجھ لیتے تو آج ہم تک اس دین کے پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی، البتہ جب کہ زمانہ ناموافق ہے تو رفتارِ زمانہ کو دیکھتے ہوئے زیادہ ہمت اور استقلال کے ساتھ اس کام کو لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

تعجب ہے کہ جو مذہب سراسر عمل اور جدوجہد پر مبنی تھا آج اس کے پیرو عمل سے یکسر خالی ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں جگہ جگہ عمل اور جہد کا سبق پڑھایا اور بتایا گیا ہے کہ ایک عبادت گزار تمام رات نفل پڑھنے والا، دن بھر روزہ رکھنے والا، اللہ اللہ کرنے والا ہرگز اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو دوسروں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر میں بے چین ہو۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کی اور مجاہد کی فضیلت اور برتری کو نمایاں کیا۔

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ط وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ط وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا o دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o﴾
(النساء 95,96)

''برابر نہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مال و

جان سے جہاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بلند کیا ہے جو اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجرِ عظیم دیا ہے یعنی بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور مغفرت اور رحمت، اور اللہ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں۔"

اگرچہ آیت میں جہاد سے مُراد کفار کے مقابلہ میں سینہ سپر ہونا ہے تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور کفر و شرک مغلوب و مقہور ہو لیکن اگر بدقسمتی سے آج ہم اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم ہیں تو اس مقصد کے لیے جس قدر جدوجہد ہماری مقدرت اور استطاعت میں ہے، اس میں تو ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہیے۔ پھر ہماری یہی معمولی حرکت عمل اور جدوجہد ہمیں کشاں کشاں آگے بڑھائے گی "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" یعنی "جو لوگ ہمارے دین کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے لیے راستے کھول دیتے ہیں۔"

اس میں شک نہیں کہ دینِ محمدی ﷺ کی بقا اور تحفظ کا حق تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، لیکن اس کے لیے ہمارا عمل اور سعی مطلوب ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اس کے لیے جس قدر انتھک کوشش کی اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کیے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں اگر اب بھی ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں، اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ اسلام کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرتِ خداوندی اور امدادِ غیبی سے سرفراز ہوں گے "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" یعنی "اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہم خود ان باتوں کے پابند نہیں اور اس منصب کے اہل نہیں تو دوسروں کو کس منہ سے نصیحت کریں۔ لیکن یہ نفس کا صریح دھوکہ ہے۔ جب ایک کام کرنے کا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہم اس کے مامور ہیں تو پھر ہمیں اس میں پس و پیش کی گنجائش نہیں۔ ہمیں خدا کا حکم سمجھ کر کام شروع کر دینا چاہیے۔ پھر ان شاء اللہ یہی جدوجہد ہماری پختگی، استحکام اور استقامت کا باعث ہوگی اور اسی طرح کرتے کرتے ایک دن تقربِ خداوندی کی سعادت نصیب ہو جائے گی یہ ناممکن اور محال ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے کام میں جدوجہد کریں اور وہ رحمٰن و رحیم ہماری طرف نظرِ کرم نہ فرمائے۔ میرے اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

((عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا نَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ حَتّٰى نَعْمَلَ بِهٖ كُلِّهٖ وَلَا نَنْهٰى عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى نَجْتَنِبَهٗ كُلِّهٖ فَقَالَ ﷺ بَلْ مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَاِنْ لَّمْ تَعْمَلُوْا بِهٖ كُلِّهٖ وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاِنْ لَّمْ تَجْتَنِبُوْهُ كُلِّهٖ)) (رواہ الطبرانی فی الصغیر الاوسط)

"حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں حضور ﷺ اقدس نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔"

> صحابہ کرامؓ نے جس قدر انتھک کوشش کی، اسی قدر ثمرات بھی مشاہدہ کیے اور غیبی نصرت سے سرفراز ہوئے، ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں، اگر ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں، اور اعلاء کلمۃ اللہ اور اشاعتِ دین کے لیے کمر بستہ ہو جائیں تو یقیناً ہم بھی نصرتِ خداوندی سے سرفراز ہوں گے

پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ جگہ جگہ مدارسِ دینیہ کا قائم ہونا، علماء کا وعظ و نصیحت کرنا، خانقاہوں کا آباد ہونا، مذہبی کتابوں کا تصنیف ہونا رسالوں کا جاری ہونا، یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے شعبے ہیں اور ان کے ذریعہ اس فریضہ کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان سب اداروں کا قیام اور بقا بہت ضروری ہے اور ان کی جانب اعتناء اہم اُمور سے ہے، اس لیے کہ دین کی جو کچھ تھوڑی بہت جھلک دکھائی دے رہی ہے وہ انہی اداروں کے مبارک آثار ہیں۔ لیکن پھر بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو ہماری موجودہ ضرورت کے لیے یہ ادارے کافی نہیں اور ان پر اکتفاء کرنا ہماری کھلی غلطی ہے اس لیے کہ ان اداروں سے ہم اس وقت منتفع ہو سکتے ہیں جب ہم میں دین کا شوق اور طلب ہو اور مذہب کی وقعت اور عظمت ہو۔ اب سے پچاس سال پہلے ہم میں طلب اور شوق موجود تھا اور ایمانی جھلک دکھائی دیتی تھی، اس لیے ان اداروں کا قیام ہمارے لیے کافی تھا لیکن آج غیر اقوام کی انتھک کوششوں نے ہمارے اسلامی جذبات بالکل فنا کر دیئے اور طلب و رغبت کے بجائے آج ہم مذہب سے تنفر اور بے زار نظر آتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم مستقل کوئی تحریک ایسی شروع کریں جس سے عوام میں دین کے ساتھ تعلق اور شوق و رغبت پیدا ہو اور ان کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوں، پھر ہم ان اداروں سے ان کی شان کے مطابق منتفع ہو سکتے ہیں، ورنہ اسی طرح اگر دین سے بے رغبتی اور بے اعتنائی بڑھتی گئی تو ان اداروں سے انتفاع تو درکنار ان کی بقا بھی دشوار نظر آتی ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اس کام کو لے کر دوسروں کے پاس جاتے ہیں تو وہ بُری طرح پیش آتے ہیں اور سختی سے جواب دیتے ہیں اور ہماری توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کام انبیاء کرام کی نیابت ہے اور ان مصائب اور مشقتوں میں مبتلا ہونا اس کام کا خاصہ ہے اور یہ سب مصائب و تکالیف بلکہ اس سے بھی زائد انبیاء کرام نے اس راہ میں برداشت کیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾ (حجر: 10,11)

"ہم بھیج چکے ہیں رسول تم سے پہلے اگلے لوگوں کے گروہوں میں اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا تھا، مگر یہ اس کی ہنسی اڑاتے تھے۔"

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے دعوت حق کی راہ میں جس قدر مجھ کو اذیت اور تکلیف میں مبتلا کیا گیا ہے، کسی نبی اور رسول کو نہیں کیا گیا۔

پس جب سردارِ دو عالم ﷺ اور ہمارے آقا و مولیٰ نے ان مصائب اور مشقتوں کو تحمل اور بُردباری کے ساتھ

برداشت کیا تو ہم بھی ان کے پیرو ہیں اور انہی کا کام لے کر کھڑے ہوئے ہیں ہمیں بھی ان مصائب سے پریشان نہ ہونا چاہیے، اور تحمل اور بردباری کے ساتھ ان کو برداشت کرنا چاہیے۔

ماسبق سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ہمارا اصل مرض روحِ اسلامی اور حقیقتِ ایمانی کا ضعف اور اضمحلال ہے ہمارے اسلامی جذبات فنا ہو چکے ہیں اور ہماری ایمانی قوت زائل ہو چکی اور جب اصل شے میں انحطاط آ گیا تو اس کے ساتھ جتنی خوبیاں اور بھلائیاں وابستہ تھیں ان کا انحطاط پذیر ہونا بھی لابدی اور ضروری تھا اس ضعف اور انحطاط کا سبب اس اصل شے کا چھوڑ دینا ہے جس پر تمام دین کی بقا اور وار و مدار ہے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس کے افراد خوبیوں اور کمالات سے آراستہ نہ ہوں۔

پس ہمارا علاج صرف یہ ہے کہ ہم فریضہ تبلیغ کو اس طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوتِ ایمانی بڑھے اور اسلامی جذبات ابھریں۔ ہم خدا اور رسول ﷺ کو پہچانیں اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرنگوں ہوں اور اس کے لیے ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو سید الانبیاء والمرسلین نے مشرکین عرب کی اصلاح کے لیے اختیار فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:21)

''بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں اچھی پیروی ہے۔''

اسی کی جانب امام مالک رضی اللہ عنہ اشارہ فرماتے ہیں: لَنْ يُّصْلِحَ اٰخِرَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا مَا اَصْلَحَ اَوَّلَهَا یعنی اس امت محمدیہ کے آخر میں آنے والے لوگوں کی ہرگز اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس نے ابتدا میں اصلاح کی ہے۔

جس وقت نبی کریم ﷺ دعوتِ حق لے کر کھڑے ہوئے، آپ تنہا تھے، کوئی آپ کا ساتھی اور ہم خیال نہ تھا، کوئی دنیوی طاقت آپ کو حاصل نہ تھی، آپ کی قوم میں خودسری اور خودرائی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی تھی، ان میں سے کوئی حق بات سننے اور اطاعت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ بالخصوص جس کلمۂ حق کی آپ تبلیغ کرنے کھڑے ہوئے تھے اس سے تمام قوم کے قلوب متنفر اور بے زار تھے۔ ان حالات میں کون سی طاقت تھی جس سے ایک مفلس و نادار اور بے یار و مددگار انسان نے تمام قوم کو اپنی طرف کھینچا؟ اب غور کیجئے کہ وہ آخر کیا چیز تھی جس کی طرف آپ نے مخلوق کو بلایا اور جس شخص نے اس چیز کو پا لیا وہ پھر ہمیشہ کے لیے آپ کا ہو رہا؟ دُنیا جانتی ہے کہ وہ صرف ایک سبق تھا، جو آپ کا مطمحِ نظر اور مقصودِ اصلی تھا جس کو آپ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا:

﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (آل عمران:64)

''بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ قرار دے، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔''

اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سوا ہر شے کی عبادت اور اطاعت اور فرمانبرداری کی ممانعت کی اور اغیار کے تمام بندھنوں اور علاقوں کو توڑ کر ایک نظامِ عمل مقرر کر دیا اور بتا دیا کہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ نہ کرنا۔

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ﴾ (الاعراف:3)

''تم لوگ اس کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے، اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کا اتباع مت کرو۔''

یہی وہ اصل تعلیم تھی جس کی اشاعت کا آپ کو حکم دیا گیا۔

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ؀﴾ (النحل:125)

''(اے محمد ﷺ!) بلاؤ لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور نیک نصیحت سے، اور ان کے ساتھ بحث کرو جس طرح بہتر ہو۔ بے شک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے اس شخص کو جو گمراہ ہوا اس کی راہ سے۔ وہی خوب جانتا ہے راہ چلنے والوں کو۔''

اور یہی وہ شاہراہ تھی جو آپ اور آپ کے ہر پیرو کے لیے مقرر کی گئی۔

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؀﴾ (یوسف:108)

''کہہ دو یہ ہے میرا راستہ، بلاتا ہوں، اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر، میں اور جتنے میرے تابع ہیں وہ بھی، اور اللہ پاک ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ؀﴾ (حم السجدہ:32)

''اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔''

پس اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی مخلوق کو بلانا، بھٹکے ہوؤں کو راہِ حق دکھلانا، گمراہوں کو ہدایت کا راستہ دکھلانا نبی کریم ﷺ کا وظیفۂ حیات اور آپ کا مقصدِ اصلی تھا اور اسی مقصد کی نشوونما اور آبیاری کے لیے ہزاروں نبی اور رسول بھیجے گئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ؀﴾ (الانبیاء:25)

''اور ہم نے نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی جانب یہی وحی بھیجتے تھے کہ کوئی معبود نہیں بجز میرے، پس میری بندگی کرو۔''

نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور دیگر انبیاء کرام کے مقدس لمحاتِ زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب کا مقصد اور نصب العین صرف ایک ہے، اور وہ اللہ رب العالمین وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات و صفات کا یقین کرنا، یہی ایمان اور اسلام کا مفہوم ہے اور اسی لیے انسان کو دُنیا میں بھیجا گیا، ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ؀﴾ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ بندہ بن کر زندگی بسر کریں۔''

اب جبکہ مقصدِ زندگی واضح ہو گیا اور اصل مرض اور اس کے معالجہ کی نوعیت معلوم ہو گئی تو طریقِ علاج کی تجویز میں زیادہ دشواری پیش نہ آئے گی اور اس نظریئے کے ماتحت جو بھی علاج کا طریقہ اختیار کیا جائے ان شاء اللہ نافع اور سود مند ہوگا۔

تبلیغ دین کے لئے تفریغ اوقات..... مگر کیسے؟

مرزا ندیم بیگ

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جو محض عبادات اور اعتقادات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک تحریک بھی ہے۔ اس تحریک کا نصب العین معاشرے کی اکائی فرد سے لے کر انسانی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات میں انقلاب برپا کرنا ہے۔ جس کے نتیجے میں ایسا معاشرہ وجود میں آجائے جس کا ہر گوشہ اللہ کی حاکمیت کا گواہ ہو۔ چشم فلک نے ایسے مثالی معاشرے کی جھلک صرف ایک بار حضور نبی اکرم ﷺ کے برپا کردہ انقلاب کے نتیجے میں دیکھی۔ اس وقت دنیا میں تقریباً 60 مسلمان ممالک ہیں اور مسلمانوں کی تعداد 150 کروڑ نفوس پر مشتمل ہے، مگر بدقسمتی کی بات ہے کہ کوئی بھی ایک مسلمان ملک حقیقی معنوں میں ''اسلامی ملک'' ہونے کا دعوے دار نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نوع انسانی ایک بار پھر وہی منظر دیکھے گی اور خلافت علی المنہاج النبوۃ سے انسانیت مستفید ہوگی جس کو علامہ محمد اقبالؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

چنانچہ سورۂ نور کی آیت نمبر 55 میں بھی ارشاد ربانی ہے:

''اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لیے جس دین کو پسند کیا ہے، اسے ضرور مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف کو امن میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے وہی فاسق ہوں گے۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنین اور صالحین سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین میں استخلاف و اقتدار سے نوازے گا۔ اس وعدے میں رب تعالیٰ نے مزید وضاحت یہ بھی فرمادی امت محمدیہ کو خلافت ارضی اُسی طرح سے عطا کی جائے گی جس طرح اس سے پہلے امت مسلمہ (بنی اسرائیل) کو عطا کی گئی تھی۔

درج بالا تفصیل سے یہ بات بالکل مبرہن ہوگئی کہ اللہ کا دین ایک مرتبہ پھر دنیا پر قائم و نافذ ہو کر رہے اور دنیا میں حقیقی روشنی ہوگی، ظلمتوں کی راتیں چھٹ جائیں گی اور اسلام کے آفاقی نظام سے پوری دنیا منور ہو جائے گی۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

اور مزید یہ کہ اب یہ کام امت محمد ﷺ کے ذمے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت اور تکمیل رسالت کے بعد اب نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ رسول۔ لہٰذا اظہار دین الحق کی جدوجہد کا فرض منصبی امت محمدؐ کے کاندھوں پر ہے۔ اور اس کام کی تکمیل کے لیے ہمیں اسوۂ کامل کی جانب رجوع کرنا ہوگا اور اسوۂ کامل نبی اکرم کا طریق انقلاب ہے۔ اس طریق کی اساس دعوت، شہادت علی الناس یا تبلیغ دین تھی اور اب یہ کام صرف مسلمانوں کے کسی خاص

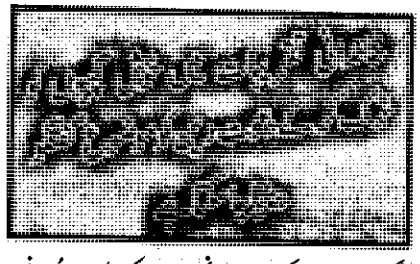

گروہ یا جماعت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ یہ کام ہر اُس فرد کی ذمہ داری ہے جو امت محمد یہ ؐ سے اپنا ناطہ جوڑنے کا مدعی ہے۔ اسی ذمہ داری کی ادائیگی پر امت کو ''خیر امت'' کے لقب سے نوازا گیا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

''تم بہترین امت ہو، لوگوں کی رہنمائی کے لیے نکالے گئے ہو، نیکی کا حکم دیتے ہو، اور منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آل عمران:110)

تبلیغ دین یا شہادت علی الناس مسلمانوں کے لیے اضافی نیکی کا کام نہیں بلکہ اجتماعی فریضہ ہے۔ اور اسی فرض کی عدم ادائیگی مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔

بدقسمتی سے جہاں ہمارے اور بہت سے تصورات دین میں کجی آئی ہے وہیں پر ہم نے یہ بھی سمجھ لیا ہے کہ دعوت دین کا کام علمائے کرام، واعظوں یا کسی خاص جماعت کا کام ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کام حسب صلاحیت و استعداد ہر مسلمان کے ذمے ہے۔

افسوس کہ امت کا بیشتر حصہ آج اس فریضہ سے غافل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری اکثریت کا یہ خیال ہے کہ دعوت کے لیے ضروری ہے کہ گھر بار چھوڑ کر، عزیز و اقارب سے ناطہ توڑ کر، کسی دور دراز مقام پر جا کر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دیا جائے، کیونکہ یہ طریقہ زیادہ مقبول اور اللہ اور اس کے نبی کا پسندیدہ ہے۔ اور چونکہ اس کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہے، لہٰذا کیفیت وہ ہوگئی کہ اس فریضے سے ہی جان چھڑائی جارہی ہے۔ جان لیجیے کہ یہ تصور قرآن حکیم اور سیرت رسول ﷺ سے دوری کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ بُعد نہ ہو تو ہر امتی روح دین کے مطابق فریضہ تبلیغ ادا کرے۔

قرآن کی تعلیم ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا یعنی ''بچاؤ آگ سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو۔'' دعوت کے ضمن میں دین کی تعلیم یہ ہے کہ داعی سب سے پہلے اپنے اہل وعیال کی تربیت کرے کیونکہ اُس کی دعوت کا اوّلین مخاطب اس کے اہل وعیال یعنی خاندان کے لوگ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس حلقہ میں دعوت کا فرض منصبی نبھانے کے لیے کسی اضافی وقت کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دعوت کا یہ حلقہ وہ ہے جس کے ساتھ داعی کا تعلق ہر وقت رہتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور اُن کی خوشیوں اور غموں کو بانٹتا ہے۔ اس وائرے میں داعی کے بیوی، بچے، والدین اور بہن بھائی آتے ہیں۔ ان کو دعوت دینے کے لیے فجر کی نماز کے بعد کا وقت استعمال کیا جاسکتا ہے، جب انسان کسی اجتماعی درس و تدریس کی نشست کا انعقاد کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شام کا وقت بھی ہے جبکہ آدمی اپنی ملازمت یا کاروبار سے فارغ ہو کر آتا ہے۔ شام کو جو وقت بھی ٹی وی دیکھنے میں برباد کر دیتے ہیں وہ وقت بھی اہل وعیال کی دعوت و تربیت کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔ ہمارے وقت کو ہڑپ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ٹی وی ہے۔

اس کے بعد قرآن حکیم دعوت کے لیے دوسرے دائرے کو متعین کرتا ہے اور وہ دائرہ ہے وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ''ڈراؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو'' یعنی اپنے کنبے قبیلے یا خاندان کے لوگوں کو خبردار کر دو جگاؤ یا بیدار کرو۔ اب یہ حلقہ بھی ایسے افراد پر مشتمل ہے جن سے انسان کا اکثر تقریبات (خوشی کی ہوں یا غمی کی) میں واسطہ پڑتا ہے اور اگر یہ لوگ قرب و جوار میں

رہتے ہوں تو یہ رابطہ تقریباً ہر روز ممکن ہے اور اس کے لیے بھی کسی اضافی وقت کی ضرورت نہیں۔ مسجد میں نماز کے اوقات میں آپ انہیں اپنی دعوت کا ہدف بھی بنا سکتے ہیں۔ اسی دائرے میں آپ کے دوست احباب بھی آتے ہیں۔ آپ ان سے ملنے کے لیے اکثر و بیشتر ان کے ہاں جاتے ہیں۔ اپنی ان نجی ملاقاتوں میں کچھ وقت دعوت کے لیے بھی مختص کر دیجئے تو وہ وقت جو آپ دنیاوی امور کے لیے صرف کر رہے ہیں دعوت دین کی برکت سے عبادت کے زمرے میں آ جائے گا۔ اسی طرح ہم اپنی محافل اور تقریبات میں بیشتر وقت غیبت اور چغل خوری جیسے گناہوں میں صرف کر دیتے ہیں یا اس موقع پر مذاق، ٹھٹھا اور خوش گپیاں ہمارا محبوب مشغلہ ہوتا ہے۔ یہ تمام کام شیطان کے ہیں، لہٰذا ان سے بچئے، اور اس وقت کو دعوت دین کے لئے استعمال میں لائیے۔

اگر آپ ملازم یا کاروباری ہیں، تو بھی دعوت کا فریضہ ادا کرنے کے لیے آپ کو الگ سے زیادہ وقت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ملازم ہیں تو اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو کام کے دوران یا دفتری وقفہ میں دعوت دے سکتے ہیں۔ اگر آپ دکاندار ہیں تو آپ کا روزانہ بیسویں ایسے افراد سے واسطہ پڑتا ہے جو ایک عرصہ سے آپ کے گاہک ہیں اور اکثر و بیشتر آپ کے اپنے گاہکوں سے اخوت پر مبنی تعلقات بھی بن جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ انہیں بھی اپنی دعوت کا ہدف بنا سکتے ہیں اور یہ کام بھی کسی اضافی وقت کے بغیر ہو سکتا ہے۔

دعوت کے لیے موزوں دن کام سے چھٹی کا دن بھی ہوتا ہے۔ اس روز اکثر لوگ وقت کو سو کر یا ٹی وی دیکھ کر برباد کر دیتے ہیں۔ اس روز آپ کے وقت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ آپ اپنے دوست و احباب اور عزیز اقارب سے ملاقات کریں اور اگر وہ غافل ہیں تو انہیں دین کی طرف بلائیے۔

دعوت کے ضمن میں ایک اور اہم چیز داعی کا ذاتی کردار ہے۔ اگر آپ دین پر صحیح معنوں میں چلنے والے ہیں اور شعائر اسلامی کو اختیار کیے ہوئے ہیں تو ایک خاموش دعوت آپ کی ذات سے نکلے گی اور آپ کے قریبی لوگوں کو متاثر کرے گی۔ کہتے ہیں کہ سو ٹن وعظ سے ایک من عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے۔

برادرانِ اسلام! حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ دور دجالیت کا دور ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ "Time is money" یعنی وقت بڑی دولت ہے۔ اس میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ یقیناً ہم اپنے اوقات کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے کاموں میں لگا کر آخرت کے لئے سرمایہ جمع کر سکتے ہیں، مگر المیہ یہ ہے کہ آج وقت بڑی دولت ہے، کا تصور اس معانی میں دیا جا رہا ہے کہ ہم اپنے وقت کو جس قدر دنیا کے لیے لگائیں گے اُسی قدر دولت دنیا زیادہ سے زیادہ کما سکیں گے۔ گویا یہ سلوگن ہمیں آخرت سے دور کر کے دنیا کے قریب کرنے کا باعث بن رہا ہے اور دنیا کو مزین کر کے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ جبکہ نبی کائناتؐ نے فرمایا: "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" یعنی انسان دنیا میں جو وقت آخرت کمانے کے لیے صرف کرے گا وہی اس کے لیے فائدہ مند ہوگا۔ بصورت دیگر اللہ کی بارگاہ سے ذلت و رسوائی کا طوق گلے میں لیے واپسی ہو گی۔ سورۃ التوبہ میں فرمایا:

"(اے حبیبؐ) کہہ دیجئے، اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" (آیت:24)

مختصر یہ کہ دین کے لیے وقت صرف کرنا ہی اصل سرمایہ ہے۔

بقیہ: تحریک دعوت منزل بہ منزل

تحریک دعوت کا جائزہ لینے کے لئے جو دورے کئے گئے۔ اُن کی تفاصیل درج ذیل ہے۔

	حلقہ جات	تاریخ	مرکزی شعبہ دعوت کی جائزہ ٹیم
1۔	پنجاب شمالی	27 مئی تا 31 مئی	اشرف وصی۔ حسن ظہیر
2۔	سرحد شمالی	2 تا 4 جون	اشرف وصی۔ کاشف بلال
3۔	سندھ زیریں	3 تا 12 جون	محمد خالد۔ سید شیبا احمد۔ عاطف عماد
4۔	پنجاب جنوبی	10 تا 12 جون	اشرف وصی۔ کاشف بلال
5۔	پنجاب غربی	24 تا 27 جون	رحمت اللہ بٹر۔ کاشف بلال
6۔	گوجرانوالہ ڈویژن	24 تا 27 جون	اشرف وصی، محمد خالد، حسن ظہیر، سید شیبا
7۔	لاہور ڈویژن	یکم تا 15 جولائی	محمد خالد۔ حسن ظہیر۔ کاشف بلال
8۔	بہاولنگر / بہاولپور	یکم تا 3 جولائی	رحمت اللہ بٹر۔ اشرف وصی
9۔	سندھ بالائی	22 تا 27 جولائی	رحمت اللہ بٹر۔ اشرف وصی
10۔	پنجاب وسطی	17 اگست	رحمت اللہ بٹر
11۔	سرحد جنوبی	26 اگست	محمد اشرف وصی

ندائے خلافت استحکام پاکستان نمبر

اب رعایتی قیمت پر

قارئین! ندائے خلافت کے استحکام پاکستان نمبر کا محدود سٹاک مکتبہ خدام القرآن میں موجود ہے۔ جو افراد منگوانا چاہیں، وہ رعایتی قیمت پر یہ شمارہ حاصل کر سکتے ہیں۔

شمارہ کی رعایتی قیمت: 30 روپے

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ خدام القرآن۔ K-36 ماڈل ٹاؤن، لاہور، فون: 3-5869501

تحریک دعوت منزل بہ منزل

کاشف بلال

2003ء میں کراچی میں منعقدہ ملتزم رفقاء کے اجتماع میں محترم سید شیبا احمد نے ''دعوت کا منظم طریقہ کار'' کے عنوان سے ایک Presentation کی، جس میں اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ دعوت دین اور دعوت الی اللہ اصل میں ''انفرادی دعوت'' کا نام ہے، جو ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے حلقہ احباب میں قرآنی اور مسنون اصول "الاقرب فالاقرب" کے تحت دینی ہے۔ اس لیکچر میں اس بات کو مزید واضح کیا گیا کہ ایک مسلمان کا بطورِ اُمتی رسول ﷺ فرض منصبی کیا ہے، اور وہ احسن انداز میں اپنی ذمہ داری کو کیسے ادا کر سکتا ہے۔ دعوت کے لیے صرف قولی نہیں بلکہ عملی شہادت کی زیادہ ضرورت ہے۔ سید شیبا احمد نے اس موقع پر ایک مؤثر لائحہ عمل بھی رفقاء کے سامنے رکھا کہ ہم انفرادی دعوت کیسے دیں۔

اس Presentation کے دوران بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد بھی موجود تھے۔ انہوں نے انفرادی دعوت کے لائحہ عمل کو سراہا اور ان الفاظ میں اس کی تائید کی کہ ''یہ ہماری دعوت کے لیے ایک Turning Point ہے، اور اس طریقہ کے ذریعے ہم وہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں جو ہم پچھلے 25 سالوں میں حاصل نہ کر سکے۔'' مزید براں امیر محترم جناب حافظ عاکف سعید نے تمام ملتزم رفقاء کو یہ ٹارگٹ دے دیا کہ وہ اب اپنے اپنے علاقوں میں جائیں اور "الاقرب فالاقرب" کے اُصول کے تحت کم از کم چار (4) احباب کو ہدف بنا کر دعوت دیں۔ اور ایک سال کے عرصہ میں اُن کو انفرادی دعوت کے مجوزہ مراحل سے گزار کر انہیں تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔ تاکہ ہم ''شہادت علی الناس'' کے فریضہ کی ادائیگی کرتے ہوئے عنداللہ ماجور ہو سکیں۔

مزید براں انفرادی دعوت کے نظام کو چلانے اور رفقاء کو مزید سمجھانے کے لیے ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی اور امیر محترم، حلقہ جات اور مقامی تناظیم کے سالانہ دوروں میں اس نظام کی مزید وضاحت کرتے رہے۔ جس کے نتیجے بیشتر مقامات پر حلقہ جات قرآنی کا آغاز ہوا اور بہت سے رفقاء اس نظام کی روشنی میں انفرادی دعوت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ لیکن پھر بھی یہ نظام اُس طور سے نہ چل سکا جس کی توقع بانی محترم، امیر محترم اور ناظم اعلیٰ کو تھی۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے محمد خالد صاحب نے اوائل 2007ء میں امیر محترم سے گزارش کی کہ ہم بانی محترم کی خواہش اور اُمید کو سامنے رکھتے ہوئے کہ "یہ طریقہ ہماری دعوت کے لیے Turning Point ہے" انفرادی دعوت کے نظام کو ہر حلقہ کی سطح پر جا کر اس کو ایک دفعہ پھر متعارف کروائیں اور ساتھ ہی ساتھ امیر محترم کے سامنے اس بات کو بھی رکھا کہ اصل میں دعوت میں "مامور من اللہ" تو تمام کے تمام مسلمان ہیں اس لیے ہم چار (4) احباب کا ٹارگٹ صرف ملتزم رفقاء نہیں بلکہ تمام رفقاء تنظیم کے سامنے رکھیں۔ امیر محترم نے مرکزی اُسرہ اور توسیع عاملہ میں مشاورت کے بعد محمد خالد صاحب کی خواہش کو سراہتے ہوئے اُن کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ مرکزی شعبۂ دعوت کے ساتھ مل کر اس کام کو آگے بڑھائیں۔ جناب محمد خالد نے مرکزی ناظم دعوت محترم رحمت اللہ بٹر کے ساتھ مشاورت کے بعد تحریک دعوت کو از سر نو متعارف کروانے کا ارادہ کیا۔ طے پایا کہ وہ مرکزی شعبہ دعوت کے ساتھ مل کر تمام حلقہ جات میں جا کر انفرادی دعوت کا نظام متعارف کروائیں گے۔ اس کے لیے شعبۂ دعوت میں چند رفقاء کا اضافہ کیا گیا تاکہ وہ اس کام میں شعبہ دعوت کی معاونت کر سکیں۔

دعوتی ٹیم

1۔ محمد خالد 2۔ رحمت اللہ بٹر 3۔ سید شیبا احمد 4۔ محمد اشرف وصی
5۔ محمد ناصر بھٹی 6۔ حسن ظہیر 7۔ کاشف بلال

اس تحریک کا آغاز 28 جنوری 2007ء کو لاہور سے ہونا طے پایا، تاکہ بانی تنظیم اسلامی بھی اس میں شریک ہو سکیں اور رفقاء تنظیم اسلامی کو اس تحریک کی اور دعوت الی اللہ کی اہمیت واضح کر سکیں۔ تحریک دعوت تنظیم اسلامی کو از سر نو متعارف کروانے کے لیے جو پروگرام طے پائے اُن کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

1۔ تلاوت قرآن کریم (سورۃ المدثر)
2۔ درس قرآن کریم (سورۃ المدثر)
3۔ تحریک دعوت کا تعارف اور انفرادی دعوت کا نظام (Presentation)
4۔ رفقاء کے تحریک دعوت کے متعلق سوالات و جوابات
5۔ بانی محترم کا خطاب/امیر محترم کا خطاب

تحریک کے تعارفی پروگرام میں زیادہ سے زیادہ رفقاء کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے یہ کوشش کی گئی کہ ہر حلقہ میں پروگرام کے انعقاد سے کچھ عرصہ پہلے امیر حلقہ سے ایک ملاقات کی جائے۔ تاکہ وہ مختلف ذرائع (فون/پیغام بذریعہ نقیب/خط) کو استعمال کرتے ہوئے رفقاء کی شرکت کو یقینی بنائیں۔

حلقہ لاہور

حلقہ لاہور کے تحت یہ تعارفی پروگرام 28 جنوری 2007ء کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں ہوا۔ پروگرام کا آغاز سوا نو بجے جناب قاری محمد مقبول کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری امیر حلقہ نے ناظم حلقہ حسن ظہیر کو سونپی۔ تلاوت قرآن مجید کے بعد مرکزی ناظم دعوت تنظیم اسلامی محترم رحمت اللہ بٹر نے سورۃ المدثر کی آیات کا درس دیا۔ درس قرآن میں انہوں نے اس بات کو واضح کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کی طرف سے یہ حکم "یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ o" ملنے کے بعد اپنے شب و روز اس دعوت کے لیے لگا دیئے۔ بعد ازاں محترم سید شیبا احمد نے دعوت کی ضرورت و اہمیت اور دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے انفرادی دعوت کے نظام کو واضح کیا۔ انہوں نے رفقاء کے بہت سے اشکالات کو بھی اپنی Presentation میں واضح کیا، انہوں نے رفقاء کو یاد دلایا کہ ہر رفیق کے لیے دعوت کا بنیادی اصول ''الاقرب فالاقرب'' ہے۔

انفرادی دعوت دینے کے لیے اپنی روزمرہ زندگی میں زیادہ اضافی وقت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آدمی ہر وقت اپنے احباب کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ دعوت کا تعلق محض قول و بیان ہی سے نہیں، بلکہ کردار و عمل سے بھی ہے۔ اگر ہم صحیح اسلامی کردار کے حامل ہوں گے تو لوگ اس سے ضرور متاثر ہوں گے۔ اسلامی کردار کو دیکھ کر ہر جاننے والا یہ بات جاننے کی کوشش کرے گا کہ وہ کون سی دعوت ہے جس نے اس شخص کو بدل دیا۔ یہ ہے وہ عملی دعوت جس کے لیے ہم سب کو محنت کرنی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں قولی طور پر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا ہے۔

چائے کے وقفہ کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی، جس میں محمد خالد نے رفقاء کے سوالات کے جوابات دیئے۔ آخر میں بانی محترم نے خطاب کیا۔ انہوں نے حاضرین محفل کے سامنے دعوتی کام کی اہمیت کو ساتھ ساتھ اپنے ذاتی تجربات بھی بیان کئے کہ انہوں نے اپنی انفرادی دعوت کا کیسے آغاز کیا۔ دُعا پر پروگرام کی پہلی نشست، جو تمام رفقاء کے لیے تھی اختتام پذیر ہوئی۔ نماز ظہر اور ظہرانہ کے بعد ذمہ دار رفقاء کے لئے ایک خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا اور اُن کو مزید موقع فراہم کیا گیا کہ وہ سوالات کر سکیں۔ عصر سے کچھ وقت پہلے مسنون دعا پر اس نشست کا اختتام ہوا۔

اب محترم رحمت اللہ بٹر، محمد خالد اور شیبا احمد کو اگلے پروگرام کے لیے کراچی پہنچنا تھا، مگر موسم کی خرابی کی وجہ سے طے شدہ فلائیٹ کینسل ہوگئی اور کافی کوشش کے بعد شام پانچ بجے والی فلائیٹ میں سیٹیں حاصل کی گئیں۔ حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام تحریک دعوت کا تعارفی پروگرام 29 جنوری کو مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی کراچی میں منعقد ہوا۔ یکم فروری کو شعبہ دعوت کی ٹیم ملتان پہنچی۔ اگلا پروگرام 2 فروری کو حلقہ بہاولنگر میں منعقد ہوا۔ 3 فروری کو مرکزی ٹیم براستہ عارف والا واپس لاہور پہنچی۔ یہاں سے 3 فروری کو ٹرین کے ذریعے راولپنڈی پہنچے، جہاں پر معتمد حلقہ راجہ اصغر پہلے سے منتظر تھے۔ 4 فروری کو حلقہ پنجاب شمالی میں تعارفی نشست ہوئی۔ (مندرجہ بالا تمام پروگراموں میں سے راقم صرف لاہور کے پروگرام میں موجود تھا اس لیے صرف لاہور کے پروگرام کی تفصیلات درج کر سکا اور باقی حلقہ جات کے پروگراموں کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے۔) متذکرہ حلقہ جات کے علاوہ دیگر حلقوں میں تعارفی پروگرام درج ذیل تاریخوں میں ہوئے۔ حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن 18 فروری، پنجاب جنوبی 23 فروری، سندھ بالائی 25 فروری، سرحد شمالی 16 مارچ، سرحد جنوبی 18 مارچ، بلوچستان 20 مارچ، پنجاب وسطی 23 مارچ، پنجاب غربی 25 مارچ

دوسرا مرحلہ

تحریک دعوت کے اِن تعارفی پروگراموں کی تکمیل پر تحریک دعوت کے Phase II کا آغاز کیا گیا، جس کا مقصد اب تحریک دعوت کے انتظامی اُمور کو واضح کرنا تھا یعنی دعوت کو منظم انداز میں پھیلانے کے لیے امیر حلقہ و مقامی ناظم دعوت اور مقامی امیر کا کردار اور سب سے اہم نقیب اُسرہ کا کیا کردار ہوگا۔ اس فیز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مرکزی شعبہ دعوت کی ٹیم کا ایک وقت میں ہر جگہ پر پہنچنا ممکن نہیں تھا، اس لیے دو اراکین پر مشتمل ٹیمیں تشکیل دی گئیں تاکہ وہ مختلف حلقہ جات کا دورہ کریں۔ پہلے تعارفی پروگرام کی نشست حلقہ کی سطح پر منعقد ہوئی تھی۔ اب یہ ضروری سمجھا گیا کہ مرکزی شعبہ دعوت کی ٹیم ہر تنظیم کا دورہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ کوشش بھی کی گئی کہ ہر مقامی تنظیم کے ساتھ علاوہ پروگرام کے کچھ اضافی وقت بھی صرف کیا جائے۔ اس فیز میں جو پروگرام تشکیل دیئے گئے، اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(ا) **حلقہ کی سطح پر پروگرام**

1۔ امیر حلقہ / ناظم دعوت حلقہ سے انفرادی ملاقات
2۔ تحریک دعوت کا پس منظر (مقرر: ممبر مرکزی شعبۂ دعوت)
3۔ نظام دعوت برائے مقامی تنظیم کی وضاحت مع سوال و جواب (مقرر: ممبر مرکزی شعبہ دعوت)

حاضرین: امیر حلقہ، ناظم دعوت حلقہ، اُمراء مقامی تناظیم، ناظمین دعوت مقامی تناظیم و نقباء منفرد اُسرہ جات

(ب): **مقامی تنظیم کی سطح پر پروگرام**

1۔ نظام دعوت کی وضاحت (مقرر: مقامی ناظم دعوت)
2۔ فہم دین (برائے احباب ورفقاء) (مقرر: ممبر مرکزی شعبۂ دعوت۔ بطور نمونہ پروگرام)
3۔ نظام دعوت میں نقیب اُسرہ کا کردار (مقرر: ممبر مرکزی شعبۂ دعوت)

(ج) **منفرد اُسرہ جات کی سطح پر پروگرام** (جس حد تک ممکن ہو)

1۔ فہم دین (برائے احباب ورفقاء) (مقرر: ممبر مرکزی شعبۂ دعوت۔ بطور نمونہ پروگرام)
2۔ نظام دعوت میں نقیب اُسرہ کا کردار (مقرر: ممبر مرکزی شعبہ دعوت)

یہ پروگرام مندرجہ ذیل تاریخوں میں مختلف حلقہ جات میں بحسن و خوبی انجام پائے۔ حلقہ لاہور 19 تا 28 فروری، گوجرانوالہ 4 تا 7 مارچ، پنجاب شمالی 11 تا 19 مارچ، بہاولنگر 25 تا 27 مارچ، وہاڑی 28 مارچ، بہاولپور 29 مارچ، صادق آباد 30 مارچ، سرحد شمالی 22 تا 24 اپریل، سرحد جنوبی 25 تا 26 اپریل، پنجاب وسطی 19 تا 30 اپریل، پنجاب غربی 30 اپریل تا 2 مئی، بلوچستان 7 تا 9 مئی

تیسرا مرحلہ

مرکزی شعبہ دعوت کی جانب سے تمام حلقہ جات میں انفرادی دعوت کا نظام متعارف کرانے اور اس نظام کو مؤثر انداز میں چلانے کے لیے انتظامی اُمور کی پلاننگ کے بعد تحریک دعوت کے تیسرے مرحلے کا آغاز ہوا۔ شعبۂ دعوت کی مشاورتی میٹنگ میں یہ بات سامنے آئی کہ اب اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا رفقاء پر طریق دعوت واضح ہو گیا ہے اور کیا وہ دعوت کے لئے بتائی گئی ترتیب کے مطابق دعوتی کام کر رہے ہیں۔ اس امر کا جائزہ لینے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ اب تمام حلقہ جات میں ایک اور دورہ کیا جائے اور یہ دورہ بھی فیز II کی طرح مقامی تنظیم کی سطح پر ہو، اور اس میں ہماری طرف سے کوئی پروگرام پیش کرنے کا انتظام نہ ہو، بلکہ اس دفعہ تحریک دعوت کے پیغام اور اُس کو سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کا جائزہ نقباء اُسرہ جات کی سطح پر لیا جائے۔ اور اس کام میں حلقہ کی سطح پر امیر / ناظم حلقہ سے معاونت لی جائے کہ وہ اپنے حلقہ کی تمام تناظیم کے اُمراء سے اُن کی مقامی تنظیم کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لیں۔ اور پھر اسی طرح ہر مقامی تنظیم کا امیر (مرکزی شعبہ دعوت کی ٹیم کی موجودگی میں) اپنے نقباء سے اُن کی اُسرہ جات کی دعوتی سرگرمیوں کا جائزہ لے۔ اور ساتھ ساتھ نقباء کی توجہ اس طرف مبذول کروائی جائے کہ وہ بھی اسی طرح دعوتی جائزہ اپنے اُسرہ جات میں لیتے رہیں، تاکہ رفقاء کے سامنے دعوت کی اہمیت واضح رہے اور اگر رفقاء کو دعوت دینے میں کوئی مشکل پیش آ رہی ہے تو نقباء اُس کا گاہے بگاہے ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ امیر / ناظم حلقہ اور مقامی اُمراء سے گزارش کی گئی کہ وہ اسی نہج پر مستقبل میں دعوتی سرگرمیوں کا اپنی اپنی سطح پر جائزہ لیتے رہیں، تاکہ ہر سطح پر ذمہ دار اپنے سے نچلی سطح پر ہونے والے دعوت کے کام سے ہر وقت مطلع رہے اور ضرورت پڑنے پر اُن کی معاونت کرتا رہے۔ (باقی صفحہ 46 پر)

مثالی حلقہ، مثالی تنظیم، مثالی اُسرہ

محمد اشرف ہمی

تحریکِ دعوتِ تنظیم فروری 2007ء کو لانچ کی گئی۔ سب سے پہلے تحریک کا تعارف کرایا گیا۔ دوسرے مرحلے میں اس کے خدوخال بیان کئے گئے اور ایک رفیق چار احباب، الاقرب فالاقرب، کی بنیاد پر دو بنیادی عملی مشکلات کا حل پیش کیا گیا۔ ایک یہ کہ آج کسی کے پاس وقت نہیں ہے۔ نفسانفسی کا عالم ہے۔ معاشی بوجھ اتنا بڑھ گیا ہے کہ پہلے کنبے کا سربراہ معاشی جدوجہد کرتا تھا اور پورے خاندان کی کفالت ہو جاتی تھی، آج ہر طرف حصولِ رزق کی دوڑ اور شدید تھکا دینے والی مشقت کے باوجود صورتحال تکلیف دہ ہے ؎

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

کہا جاتا ہے کہ وقت نہیں ہے کہ غمِ روزگار کے ساتھ ساتھ دعوت و اقامت دین کی محنت کی جائے۔ حالانکہ یہ فریب نفس ہے۔ انسان کے پاس وقت کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی تقدیم و تاخیر کن باتوں میں ہے۔ جب وقت ختم ہو گیا تو سب کچھ دھرے کا دھرا رہ جائے گا ؎

آئی قضا لے گئی سب کچھ سمیٹ کر
میں دیکھتا ہی رہ گیا پتھر بنا ہوا

دل کو سمجھانے کی بات ہے، آخرت کی تیاری کا احساس ہو تو پھر رویہ اور ہوتا ہے

دوسری مشکل یہ خیال آنا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ دعوتِ دین کا کام کروں لیکن مجھ میں علمی صلاحیت نہیں، اس لئے مجھے معذور ہی سمجھا جائے، رخصت دی جائے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ نعوذ باللہ کیا یہ ذمہ داری، تکلیف مالایطاق ہے۔ ذرا سوچئے، کیا ہم پر وہ فریضہ عائد کر دیا گیا ہے جو ہم ادا ہی نہیں کر سکتے، یہ تو ظلم ہو گیا، حالانکہ اللہ رب العزت کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں۔ تو پھر بات کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ ہماری ذمہ داری تو یہ ہے کہ جیسے خود اللہ کے بندے، اطاعت گزار، فرمانبردار غلام بن رہے ہیں، اسی طرح بندگی کی دعوت دوسروں کو دیں۔ ہر آدمی یہ سوچے کہ مجھ پر خود اللہ کا بندہ بننے کے لئے کم از کم اتنا دینی علم حاصل کرنا فرض ہے کہ جان سکوں کہ بندگی کیا ہے، کس طرح کی جائے، کس انداز میں کی جائے۔ یعنی ''کم'' ''کیف'' اور ''این'' ایسے سوالات کا جواب ہر انسان کے پاس ہونا چاہئے۔ اور پھر اسی کی دعوت اُسے دوسروں کو دینی ہے۔

پھر رفقاء کو حلقہ قرآنی کو آباد کرنے کی محنت کی طرف توجہ دلائی گئی کہ ہر رفیق اپنے اردگرد دوستوں، رشتہ داروں، کاروبار میں شریک افراد وغیرہ، دفتری رفقائے کار، محلہ دار، مسجد کے نمازی غرض کہ وہ حضرات جن سے اس کا رابطہ بلا کسی تکلف و خصوصی وقت کے ہوتا ہے، اُن پر اپنی محبت، تعلق، اور حسن اخلاق کی بنیاد پر دعوتِ دین کا کام مستقل طور پر کرتا رہے۔ آپ نے اپنے حسنِ سلوک سے یہ کام آگے بڑھانا ہے۔ جتنا آپ کا تعلق اور قرب و محبت بڑھتی جائے گی، حلقہ قرآنی کے لئے دعوت میں اتنی ہی آسانی ہوگی۔ اب جس ساتھی کو اللہ قبول کرے اور وہ درس میں آنا شروع ہو جائے تو اُس سے ملاقات کا سلسلہ کچھ بڑھاتے جائیں، اُسے مطالعے کے لئے لٹریچر دیں، علیٰ ھذا القیاس۔ اِس کے لئے نہ خصوصی وقت کی ضرورت ہے اور نہ ہی عالمِ دین بننے کی ضرورت ہے، البتہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے ہمت و استقامت۔ اُس کی خدا سے دُعا مانگیں۔ دعوتی کام میں جہاں ضرورت پڑے اپنے نقیب اور دیگر ساتھیوں سے مدد حاصل کریں۔ ان شاء اللہ آپ کو کامیابی ہوگی۔ اسی طرح فہمِ دین پروگرام کا معاملہ ہے۔ لیکن عمومی انسانی رویہ یہ ہے کہ:

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

محترم بانی تنظیم فرماتے ہیں ''گڈا اپنی ''لیک'' پر ہی چلتا ہے۔ کوشش و محنت کر کے نئی روش اپنائی جاتی ہے، لیکن جوں ہی تھوڑی سی ڈھیل ہوئی گڈا پھر پرانی لیک پر آ جاتا ہے۔'' اس حوالے سے جب تک خصوصی توجہ نہ رہے، فالواپ نہ ہو، نئے انداز کا رواج پانا محال ہے۔

مثالی حلقہ

پورے پاکستان میں تحریکِ دعوتِ تنظیم پر عمل درآمد شروع ہوا۔ اس حوالے سے سارے حلقوں میں کام ہو رہا ہے۔ ان میں سب سے نمایاں اور پیش پیش حلقہ پنجاب شمالی ہے۔ ناظم حلقہ محترم خالد عباسی جو حلقہ کے انتظامی اور دعوتی معاملات میں پہلے سے ہی مصروف تھے، جب تحریکِ دعوت لانچ کی گئی تو اُنہوں نے اس معاملے میں فوری دلچسپی لی اور اُس کے مطابق اپنے پروگراموں کو ڈھالا۔ مقدم تحریکِ دعوت کو رکھا، نہ کہ اپنی پرانی روش کو۔ اس معاملے میں امیر تنظیم اسلامی چکلالہ راولپنڈی راجہ محمد اصغر صاحب کا تعاون بھی انہیں حاصل رہا، جو اس کام کا خوب تجربہ رکھتے ہیں۔ اور پہلے یہ کام کر چکے ہیں اور اپنی حد تک یہ کام یہاں پر بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس کام کو سمجھنے اور عمل کرنے کے حوالے سے کوئی خاص دشواری نہ آئی۔ خالد صاحب کی خصوصی توجہ سے یہاں کام فوراً شروع ہو گیا۔ ماہ فروری 2007ء میں حلقہ کے رفقاء کی تعداد 877 تھی۔ اُس وقت یہاں پر 65 کے قریب دروسِ وغیرہ ہو رہے تھے۔ الحمدللہ ماہ اگست تک رفقائے حلقہ کی تعداد 1007، حلقہ دروسِ قرآنی 96 تک جا پہنچے ہیں۔

مثالی مقامی تنظیم

جب مثالی مقامی تنظیم کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو دوبارہ نظرِ انتخاب حلقہ شمالی پنجاب ہی کی مقامی تنظیم چکلالہ راولپنڈی پر ٹھہری۔ اس تنظیم کے امیر جناب راجہ محمد اصغر

ہیں جو معتمد حلقہ کی ذمہ داری بھی نبھا رہے ہیں۔ وہ ریٹائرڈ P.A.F وارنٹ آفیسر اور انتہائی باصلاحیت ساتھی ہیں۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں مختلف کورسز میں اوّل آتے رہے اور اب تنظیم کے میدان میں بھی اسی طرح کی نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ پچھلے دو سال سے اس تنظیم کے امیر بھی ہیں۔

فروری میں اس تنظیم میں 42 رفقاء تھے، اب یہ تعداد 75 ہو چکی ہے۔ حلقہ دروس پہلے دو ہوتے تھے، اب 15 ہو چکے ہیں۔ 9 فہمِ دین پروگرام ہوئے۔ 70 فیصد رفقاء زرِتعاون دے رہے ہیں۔ رفیہ صاحب مختلف ذمہ داریوں مثلاً معتمد حلقہ، مقامی امیر، نقیب اسرہ کے ساتھ ساتھ عربی تعلیم و تعلم میں خط و کتابت کورس اور مقامی سطح پر تجوید، عربی گرامر، ترجمہ قرآن کلاسز وغیرہ کے انتظامات میں بھی پیش پیش رہتے ہیں۔ امیر، نقیب اور رفیق کے ساتھ تعلقات، راہ و رسم، مصاحبت، عمومی و خصوصی ملاقات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، کہ انہیں معلوم ہے کہ جب تک ہمارے درمیان سچی محبت و رفاقت پیدا نہیں ہو گی اُس وقت تک جماعتی زندگی کے فوائد نہ جماعت حاصل کر سکتی ہے اور نہ ہی فرد۔ انہی خصوصیات کی بنا پر تنظیم اسلامی چکلالہ راولپنڈی اللہ کے فضل و کرم سے دیگر تناظیم میں نمایاں ہے۔

مثالی اسرہ

جب منفرد اسرہ جات کی طرف نگاہ دوڑائی تو منفرد اسرہ عارف والا نمایاں نظر آیا۔ اس کے نقیب جناب محمد ناصر بھٹی جو کچھ عرصہ قبل جب کہ وہ بیرون ملک تھے، تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ وہ نقیب مقامی تنظیم، منتظم حلقہ جات قرآنی، نائب امیر حلقہ کی ذمہ داریاں نبھا چکے ہیں۔ یہاں انہوں پاکستان آ کر انہوں نے دو سال پہلے عارف والا میں انفرادی حیثیت میں دعوت کا آغاز کیا۔ تنظیم اسلامی میں مدرس ہیں، مقرر ہیں، واعظ ہیں، منتظم ہیں مگر داعی حضرات کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ناصر صاحب چلتے پھرتے داعی ہیں۔ مسلسل محنت ان کا شعار ہے، مایوسی کو قریب پھٹکنے نہیں دیتے۔ ان کے عزم و استقلال اور محنت سے جلد ہی اسرہ قائم ہو گیا۔ اب اُن کی کوشش ہے کہ اُسرے سے دوسرے اسرے بنیں، اور تنظیم قائم ہو۔ ناصر صاحب کہتے ہیں کہ دعوت کا عمل اُس وقت تک جاری رہنا چاہئے، جبکہ اللہ داعی کو اپنے پاس بلا لے یا ہمسایہ، دوست وغیرہ کسی اور جگہ منتقل ہو جائے۔ اور اس فریضہ کو اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ مرتے مرتے کرنا ہے اور کرتے کرتے مرنا ہے۔ اسی میں بندۂ مومن کی کامیابی ہے، لیکن ہم بالعموم اس فریضے سے غافل ہو گئے ہیں۔

اُسرہ عارف والا میں رفقاء کی تعداد فروری سے پہلے 9 تھی۔ اگست تک تین نئے ساتھی شامل ہوئے۔ فروری میں ایک حلقہ قرآنی ہوتا تھا، اب تین ہو گئے ہیں۔ اُسرہ کی میٹنگ جس میں منتخب نصاب پر مذاکرہ ہوتا ہے، تحریک دعوت کے اہداف کے عین مطابق ہو رہی ہیں۔ ایک مبتدی رفیق اپنے نصاب سے مطالعہ کا ماحاصل بیان کرتا ہے۔ ادعیہ ماثورہ کو یاد کرنے کے حوالے سے توجہ دلائی جاتی ہے۔ باطنی بیماریوں پر محاسبہ، ذاتی، معاشرتی اور معاشی مسائل وغیرہ پر گفتگو اور باہمی ملاقات کی ترغیب وغیرہ ہوتی ہیں۔ 90 فیصد رفقاء زرتعاون ادا کرتے ہیں۔ اسرہ کے ہر رفیق نے اپنے چار زیرِ دعوت احباب کے حوالے سے نام دیئے ہوئے ہیں۔ عارف والا میں انجمن خدام القرآن کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ جو ساتھی کسی وجہ سے تنظیم میں شمولیت کے حوالے سے حجاب محسوس کرتا ہے اُسے انجمن سے منسلک کر دیا جاتا ہے۔ 24 اگست کو بانی تنظیم کا ایک پروگرام کرایا گیا، جس میں 2500 افراد نے شرکت کی۔ احباب کو دعوتی پروگرام میں مدعو کرنے کے لئے ہر رفیق نے مستقل بنیاد پر کم از کم دس افراد کو دعوت و یاددہانی کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ کسی بھی عمومی پروگرام کے بعد جائزہ لیا جاتا ہے کہ اس پروگرام کو کس طرح مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اپنے علاقے کے اردگرد بھی عمومی دعوتی پروگراموں کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان شاءاللہ عنقریب یہ اسرہ تنظیم بن جائے گا۔

ان تینوں نظم ہائے تنظیم یعنی بہترین حلقہ، بہترین تنظیم اور بہترین اسرہ کے ذمہ داروں (ناظم حلقہ، امیر مقامی تنظیم اور نقیب اسرہ) کے اوصاف پر غور کیا جائے تو ان میں کچھ قدریں مشترک محسوس ہوتی ہیں۔ مثلاً تحریک دعوت تنظیم پروگرام کو عملی شکل دینے میں تینوں نے اپنے رجحانات، پرانے طریقہ کار، ذاتی رغبت کو بالائے طاق رکھ کر نئے انداز سے اور پوری دلجمعی سے محنت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں، امیر خود سارے کام خود نہیں کرتا، ایک ٹیم ورک ہوتا ہے جس کے ذریعے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جب تک ٹیم میں باہمی رفاقت، قرب و محبت، اعتماد، ایثار و قربانی کا مادہ نہ ہو، مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے۔ پھر یہ کہ کام شروع کروانے کے بعد اُس کام کی نگہداشت ضروری ہوتی ہے۔ یعنی پہلے کام کو خود سمجھا جائے، اُس پر عمل کیا جائے، پھر دوسروں کو یہ کام سمجھایا جائے، کر کے دکھایا جائے اور اپنی نگرانی میں اُن سے کروایا جائے اور اُس وقت تک نگہداشت کی جائے جب تک پوری طرح تسلی نہ ہو جائے۔

مثالی رفیق

تنظیم اسلامی پھالیہ کے رفیق محمد مقصود احمد بٹ بجا طور پر مثالی رفیق کہلانے کے حقدار ہیں۔ موصوف پاکستان ایئر فورس سے ریٹائر ہیں۔ دیگر دینی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نائب نقیب تنظیم اسلامی پھالیہ، ناظم مالیات اور پھالیہ میں فکر تنظیم اسلامی کی نشر و اشاعت کے لیے اپنی خدمات وقف کیے ہوئے ہیں۔ الاقرب فالاقرب کے اصول کے تحت دین کی دعوت کو عام کر رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اپنے عزیز و اقارب کو دین کی دعوت پہنچانے کے لیے ٹارگٹ بنائیں تو آپ کی اپنی کردار سازی ہوتی ہے۔ وہ دوران دعوت فقہی اور مسلکی مسائل سے مکمل اجتناب کرتے ہیں۔ گرم مزاج کے مخاطبین سے بحث و مباحثہ نہیں کرتے اور مخاطب کو فرصت کے لحات میں حکیمانہ انداز سے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ اس وقت تقریباً 50 افراد ان کے زیر دعوت ہیں جن کی درجہ بندی کر کے ایک فہرست مرتب کر رکھی ہے تا کہ پتا چلتا رہے کہ مخاطب دعوت دین کے کس مرحلے میں ہے۔ دعوت دین کا فریضہ چونکہ ان کی اولین ترجیح ہے لہٰذا وہ ہمیشہ پرائیویٹ ملازمت اختیار کرتے ہیں تاکہ غم روزگار کبھی بھی دعوت دین کے کام میں مجبوری یا پابندی نہ بننے پائے اور ناموافق حالات میں فوراً ایسی ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لیں۔

حکیمانہ باتیں

☆ بے وقوف کو بے وقوفانہ طرز میں جواب نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی طرح بن جاؤ۔ یاد رکھو! نرمی سے جواب دینا غصے کو فرو کر دیتا ہے۔

☆ طیش میں جواب دینا بھی اتنا احمقانہ فعل نہیں جتنا حقارت آمیز لہجے میں جواب دینا۔ یاد رہے کہ الفاظ کی نسبت لہجہ زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے۔

☆ صاف دل رہنا چاہیے مگر ساتھ ہی کم گو ہونا بھی ضروری ہے۔ طبیعت کو ہمیشہ قابو میں رکھو۔ اگر غصہ آ ہی جائے تو بھی زبان سے اس کا اظہار نہ کرو اور رنج دہ الفاظ زبان سے نہ نکالو۔

مکتبہ خدام القرآن

کی کتب و کیسٹس اور CDs / DVDs کی خریداری اور دیگر معلومات کے لئے

مقامی دفاتر/ سیل پوائنٹس	ایڈریس	فون نمبرز
لاہور	مرکز تنظیم اسلامی 67-A، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور	6366638 - 6316638
	مرائی بک سٹور لبرٹی مارکیٹ گلبرگ لاہور	5758355
	الحفیظ 83' شاہراہ قائداعظم' لاہور	6360755 - 6303236
	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ 60 شاہراہ قائداعظم لاہور	111626262
	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ 17 ایچ بلاک' ڈی ایچ اے لاہور	5742803-5
	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ z بلاک ڈی ایچ اے لاہور	5735662-3
	فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ قذافی سٹیڈیم لاہور	5712250
	مکتبہ تعمیر انسانیت غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور	7237500 - 7310530
	نیوایند اولڈ بک شاپ 20۔ بی گلبرگ سنٹر مین بلیوارڈ لاہور	5763739
	نیوایند اولڈ بک شاپ 5-174۔ ایچ بلاک' بالمقابل بنک آف پنجاب D.H.A لاہور	5734589 - 5892710
	راحت میڈیکوز نزد راحت بیکرز لاہور کینٹ	6685738
	اسلامک بک سٹور شاپ نمبر 12-11، بیسمنٹ ڈیفنس شاپنگ مال، بالمقابل عادل ہسپتال، D.H.A لاہور	6602796 - 6612322
	طاہر کیسٹ ایجنسی ڈی ہاؤس، پہلی منزل، کاشف سنٹر، چوک نسبت روڈ، لاہور	7350721- 03004350307
کراچی	قرآن اکیڈمی DM-55 درخشاں خیابان راحت فیز 6' ڈیفنس' کراچی	5340022 - 23
	تنظیم اسلامی، حق اسکوائر پہلی منزل۔ یونیورسٹی روڈ' گلشن اقبال' کراچی	4993464 - 5
سکھر	تنظیم اسلامی 3-B ، پروفیسرز ہاؤسنگ سوسائٹی، شکارپور روڈ' سکھر	0715-631074
کوئٹہ	انجمن خدام القرآن، 370-2/12-2 بالائی منزل بالمقابل کوالٹی سوئیس، منان چوک' شاہراہ اقبال، کوئٹہ	2842969
ملتان	قرآن اکیڈمی' 25 آفیسرز کالونی' ملتان	6520451
سیالکوٹ	ملک تنویر الحق' ماڈرن بک ڈپو' سیالکوٹ کینٹ	261184
	تنظیم اسلامی 120۔ مارکیٹ روڈ ماڈل ٹاؤن سیالکوٹ	557464 -03006128479
اسلام آباد	تنظیم اسلامی' 31/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم' نزد وفاقی اوور برج 4/8-1' اسلام آباد	4434438
پشاور	18-A' ناصر مینشن' شعبہ بازار' ریلوے روڈ نمبر 2' پشاور	214495
نوشہرہ	تنظیم اسلامی آفس نمبر 4 سیکنڈ فلور کنٹونمنٹ پلازہ نزد جنرل بس سٹینڈ، نوشہرہ	610250
دیر	تنظیم اسلامی نزد گرڈ اسٹیشن، ڈبز تیمر گرہ، ضلع دیر	03009050597
فیصل آباد	انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی روڈ سعید کالونی نمبر 2، فیصل آباد	8520869